

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226013

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ اصفیہ

جلد ششم
الکلام



یعنی علم کلام جدید جمین اسلام کے تمام عقائد کو فلسفہ حال کے
مقابلہ میں نہایت بسط اور غوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے

مؤلفہ

شمس العیسیٰ مولانا شبلی نعمانی

مقدمہ دار العلوم ندوۃ العلماء فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی ساہتی
ناظم سرشتہ علوم و فنون حیدر آباد بمبررائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

جسکو

مولوی سلیمان صاحب ناظم نجمین ندوۃ العلماء نے نجمین کی طرف سے

عمدۃ المطالع لکھنؤ میں چھپوایا

سلسلہ تصنیف

الکلام

حصہ دوم

یعنی علم کلام جدید، جسین اسلام کے عقائد کو فلسفہ محال کے تقابلیں ثابت کیا گیا ہے

ترجمہ

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی سابق ناظم سررشتہ علوم و فنون حیدر آباد پروفیسر
مدرسہ العلوم علی گڑھ و فیو آف الہ آباد یونیورسٹی و ممبر آل انڈیا کسٹ سائنس کلکتہ و مہتمم العلوم

مدرسہ العلماء
SMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

۱۵
عمدة المطابع لکھنؤ میں چھپا

۱۹۰۶ء

فہرست الکلام حصہ دوم

صفحہ نمبر	مضمون کتاب	پاڻی	مضمون کتاب
۲۵	ایک علی تہذیب کے کیا اصول قرار پائے گئے ہیں	۱	دیباچہ
۲۶	عقل اور مذہب	۲	علم کلام جدید
۲۷	اسلام کی تلقین	۳	جدید علم کلام کی تدوین کا طریقہ
۳۰	وجود باری	۴	امام غزالی نے تصحیح کی ہے کہ انھوں نے
۳۱	وجود باری کا طریقہ استدلال	۵	کتب متداولین اہل حقیقت غائبین کی
۳۲	ارسطو کا استدلال	۶	علوم جدید اور مذہب
۳۳	بوعلی سینا کا استدلال	۷	مذہب انسان کی فطرت میں غل ہے
۳۴	مشکین کا استدلال	۸	عقل کلی
۳۵	وجود باری پر قرآن مجید کا طریقہ استدلال	۹	نور ایمان
۳۶	خدا کا خیال انسان کی فطرت میں غل ہے	۱۰	مذہب کے فطری ہونے کی دوسری دلیل
۳۷	وجود باری پر استدلال	۱۱	تیسری دلیل
۳۸	حکماء یورپ کی شہادت	۱۲	مذہب اسلام
۳۹	ملاحظہ یعنی مشاہدہ پر محض اے اعتراف	۱۳	تمام مذاہب میں کسی ایک کی پیروی کی وجہ
۴۰	خدا کے وجود پر ملاحظہ قدیم کا اعتراف	۱۴	یورپ کو مذہب کے کیوں مخالفت ہے
۴۱	مادہ بین	۱۵	فطری مذہب
۴۲	مادہ بین کس بنا پر خدا کے قائل نہیں	۱۶	فطری مذہب کا خاکہ

صفحہ نمبر	مضمون کتاب	صفحہ نمبر	مضمون کتاب
۷۱	معجزہ سے نبوت پر استدلال	۴۴	عالم کا وجود خدا کے بغیر ممکن کیا جاسکتا ہے یا نہیں
۷۴	عام اعتراضات	۴۶	خدا تمام شیا کا بالذات خالق ہے یا بواسطہ
۷۶	نبوت و خرق عادت کی اصل حقیقت	۴۸	قوانین قدرت خود بننے ہیں
۷۷	کیا خرق عادت ممکن ہے	۴۸	صور نوعیہ قدیم ہیں یا حادث
۷۸	خرق عادت کا خیال انسان کو کیوں پیدا ہوتا ہے	۵۰	خدا کا وجود محسوسات سے یا خود نہیں
۷۸	صرف شائعہ سلسلہ اسباب کے منکرین	۵۱	منکرین خدا کے دلائل
۷۹	خرق عادت کے متعلق لوگوں میں مختلف اہتمام	۵۴	ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب
۸۰	ہر وہ نزاع لفظی ہے	۵۵	ملاحدہ کے اعتراضات کا رد
۸۱	خرق عادت کے متعلق اشعار عین	۵۵	تمام قولے قدرت باہم موافق اور معاون ہیں
۸۱	اخلاف رائے	۵۹	توحید
۸۱	بولی سینا کی رائے	۶۱	توحید پر استدلال
۸۲	واقعات پر یقین کر نیکے کیا اصول ہیں	۶۲	توحید فی الصفات و فی العبادات
۸۴	خرق عادت نبوت کا لازمہ ہے یا نہیں	۶۳	نبوت
۹۰	نبوت کی حقیقت	۶۳	نبوت کی تاریخ سے پہلے ماخوذانے کی
۹۰	نبوت کی ایک دوسری تشریح	۶۳	خرق عادت کے مسئلہ کی بنا
۹۰	امام رازی اس حدیث طالعہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں	۶۳	نبوت پر اعتراضات
۹۰	اس طالعہ کا نبوت قرآن مجید سے	۶۳	اشعار کے نزدیک نبوت کی حقیقت
۹۱	امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت	۶۳	معجزہ کی تعریف

ہندسہ	مضمون کتاب	ہندسہ	مضمون کتاب
۱۳۰	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت	۴۴	شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت
۱۳۲	عیسائیوں کی دعویٰ کہ آنحضرت نے تورات	۵۷	نبوت کے متعلق ائمہ اعلیٰ کی رائے
	فرمان کی تعلیم پائی تھی	۹۹	نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ
۱۳۴	عقائد میں تقلید کرنا شرک ہے	۱۰۱	نبوت کے متعلق محدث مابین فرم کی رائے
۱۳۵	تفصیلی عقائد	۱۲۳	نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے
"	وجودِ ربی کی نسبت تمام اہل مذہب کی غلطیاں	۱۲۵	انبیاء کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ
۱۳۶	توحیدِ خالص و پر قسم کی بت پرستی کا امتیض	"	انبیاء کی تعلیم کے اصول
۱۳۷	درمیانی ماسطون کو مٹانا	"	پہلا اصول
"	نبوت	۱۰۶	دوسرا اصول
۱۳۹	سزا و جزا	۱۰۷	تیسرا اصول
۱۴۰	عبادات	۱۰۸	چوتھا اصول
"	مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیاں	۱۰۹	پانچواں اصول
۱۴۱	حقوق انسانی	۱۱۱	چھٹا اصول
۱۴۲	خودکشی کا مسئلہ	۱۱۵	خرق عادات
"	اسلام نے خودکشی کو مٹایا	۱۱۶	خرق عادات کے منکر یہ کیا استلال و مہجرت
"	تافہ میان قتل و دلاوی کسی صورت میں نہ ہو جاتا تھا	۱۱۷	خرق عادات کے متعلق پورے علم کی رائے
۱۴۹	اسلام نے قتل و دلا کو مٹایا	۱۱۸	اس پر پھر لازم
۱۵۰	عورتوں کے حقوق اور عمن لا	۱۱۹	خرق عادات کے متعلق پہلی سینا کی رائے

صفحہ نمبر	مضمون کتاب	صفحہ نمبر	مضمون کتاب
۲۰۰	شیخ الاشراق کا مذہب	۱۵۱	اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے
۲۰۱	شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے	۱۶۰	وراثت
۲۱۲	شریعت میں بیع اموفلاف عقل میں انکے اقسام	۱۶۱	وراثت کی اصول پر مبنی ہے
۲۱۳	فی الردیاء اور ولاہ لہما والہما والہما	۱۶۲	اسلام کے قواعد وراثت تمام اصول عقلیہ پر مبنی ہیں
۲۱۴	والکلمۃ علی دای الحکماء	۱۶۳	اسلام نے غیر مذہبیان پر غیر فرقہوں کو کیا حقوق دیئے
۲۱۵	وحی اور الہام وغیرہ کی حقیقت کما ے اسلام		بقیہ عقائد
۲۱۶	کی رائے کے موافق	۱۶۸	مسائل عقائد کی نوعیت
۲۱۷	ولما الوجود لا یلہام	۱۶۹	مسائل عقائد جو قرآن میں مذکور نہیں۔
۲۱۸	امام غزالی کی کتاب معارج القدس میں	۱۷۱	وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں لیکن انکے کیفیت مذکور نہیں
۲۱۹	وحی کی حقیقت	۱۷۲	تاویل کی حقیقت
۲۲۰	اسلام تمدن و ترقی کا نافع ترین مذہب ہے	۱۷۳	تاویل کے متعلق امام غزالی کی رائے
۲۲۱	مذہب کے کچھ جوہر و دنیاوی فائدے	۱۷۴	وہ اسرار و کشفات کہ ناسخ و منسوخ کی پانچ قسمیں ہیں
۲۲۲	یہ باتیں مذہب اسلام میں نہیں پائی جاتیں	۱۷۵	تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فی فصل التفسیر کا خلاصہ
۲۲۳	اسلام	۱۷۶	امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث
۲۲۴	ترقی تمدن جو ہول ہیں اسلام میں پائے جاتے ہیں	۱۷۷	لفظ جمال کی غلط تفسیر نے وہم و شبہ کی بنیاد ڈالی
۲۲۵	سادت	۱۷۸	تاویل در حقیقت تاویل نہیں
۲۲۶	مذہب کے انصافی	۱۷۹	روحانیات یا غمخوشتا
۲۲۷		۱۸۰	روحانیات وجود کس قسم کا ہے

نمبر	مضمون کتاب	نمبر	مضمون کتاب
۲۸۷	فصل سوم	۲۳۳	اپنی آپ غرت کا خیال
۲۹۱	فصل چہارم	۲۳۶	حکومت جمہوری
۲۹۲	فصل پنجم		تقسیم عمل
	معراج القدس کی عبارت مذکورہ	۲۳۷	النانون کا مختلف المراتب ہونا
	بالا کار و وحصل	"	علمی ترقی کی انتہاء ہونی
"	پہلی بحث		دین و دنیا کا باہمی تعلق
۲۹۶	دوسری بحث	۲۳۹	رہبانیت کا سٹانا
۲۹۷	تیسری بحث	۲۴۱	دنیا کا مرتبہ
۲۹۸	چہارم طریقہ	۲۴۲	قرآن مجید میں ان دولت لکھن الفاظ سی یاد کیا
۲۹۹	دوسرا طریقہ		ضمیمہ
"	تیسرا طریقہ		بحث نبوت از خط ابی علیہ امام ابراہیم
۳۰۱	نبوت کے خواص		بحث نبوت از معراج القدر امام غزالی
۳۰۵	نبوت کی دوسری خاصیت		امام رازی کی تقریر مذکورہ بالا کا دو حصہ
۳۰۷	نبوت کا تیسرا خاصہ	"	فصل اول
"	خاتمہ	۲۸۲	فصل دوم

دیسپاچہ

مذہب اسلام میں چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے
عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد میں اہل الاصول دو ہیں، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب میں انہی دو اصول ہی
بحث ہے، باقی مباحث تبعاً و ضمناً لگے ہیں۔

قرآن مجید کا کلام الہی ہونا مہمات عقائد میں ہے لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف
درکار ہے، اس لئے اس حصہ میں یزین نے اس سے بحث نہیں کی، بلکہ اس کو ایک
مستقل کتاب کے لئے اٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہو گا اور جس کا نام علم القرآن
ہو گا۔

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب میں آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین
جلدوں میں پورا ہو جائے گا، پچھلے دو جلدوں کی سوانح عمری ان اس سلسلہ سے الگ ہیں خدا
ان کے تمام کے بھی اسباب ہم پہنچائے۔

شبلی نعمانی

حیدر آباد دکن

نہو ان زنگشکو بہ حقیقت رسید یک پدافسانہ زگوہر نایاب سقنی ست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حصہ دوم

علم کلام جدید

حَکَمٌ دَلَّ وَصَفَاتُ

جدید علم کلام کا مایہ نیر گرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں وہی
قدیم علم کلام ہے تاہم اس کی تدوین و ترتیب جس حدیث سے ہوگی چاہیے اسکے لحاظ سے
اس کے جدید بھی کہہ سکتے ہیں اسل حال کی تفصیل یہ ہے۔

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف شاخیں ہیں ان میں ج طریقہ،
حقیقی علم کلام کہلانے کا حق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود
نہیں، بلکہ نچلے کتب کلامیہ اور تفسیر کبیر میں جسے جسے قدما کے اقوال مذکور ہیں۔ ان
تمام اقوال کو اس مقصود کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل جائیں۔

مناظرین میں سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھوں نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ دوسری کتابیں
عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و معتقدات دوسری کتابوں میں
ظاہر کرتے تھے کئی نسبت یہی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائیں مثلاً علم کلام میں
امام غزالی کی متعدد تصنیفات ہیں قواعد العقائد۔ اقتصاد۔ تہافت الافلاس وغیرہ وغیرہ

لیکن انھوں نے خود جا بجا مختلف کتابوں میں تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات میں جو باتیں مذکور ہیں وہ اصلی حقائق نہیں ہیں بلکہ عوام کے عقائد محفوظ رکھنے کے لئے ہیں۔

جو اہل القرآن میں جہاں علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہیں۔

امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ کتب متداولہ میں جو حقائق ظاہر نہیں ہیں

وَدَوَّرَ عِلْمَ الْكَافِرِينَ كَافِرُونَ وَجَدُوا مَا كَانُوا يَدْعُونَ
 اَلَّذِي هُوَ حَاجَةٌ اَلْكَافِرِ وَجَدُوا مَا كَانُوا يَدْعُونَ
 يَتَشَعَّرُ عَلَيْهِمُ الْكَلَامُ الْمَقْصُودُ لِذِكْرِ الصَّلَاةِ لَكَت
 وَالْبِدْعِ وَارْتَدَّ الشُّبُهَاتُ فَيُلْقُونَ بِهَا لَمْتَكُمُ
 وَهَذَا اَلْعِلْمُ وَنَدَّ شَرَّهَا عَلَى اَلْطَّبَقَاتِ سَمِعْنَا
 اَلطَّبَقَةُ اَلْاَوَّلِيَّةُ مِنْهَا اَلرَّسَالَةُ اَلْقُدْسِيَّةُ وَاَلطَّبَقَةُ
 اَلثَّانِيَةُ فِيهَا اَلْاِقْتِصَادُ فِي اَلْاَعْتِقَادِ وَوَقْفُ
 هَذَا اَلْعِلْمُ جَرَّاسَةٌ عَقِيدَةٌ اَلْعَوَامُ عَنْ شَيْءٍ
 اَلْبَشَرِيَّةِ وَلَا يَكُونُ هَذَا اَلْعِلْمُ مَرْتَبًا اَلْاَوَّلُ
 اَلْحَقَائِقُ وَيَعْنِيهِ يَتَعَلَّقُ اَلْكِتَابُ اَلَّذِي وَصَفْنَا
 فِي تَهَامُزِ اَلْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِي اَوْرَدْنَا فِي اَلْاَوَّلِ
 عَلَى اَلْبَاطِلَةِ فِي اَلْاَوَّلِ اَلْمَلَكُوتِ اَلْمُسْطَهْرِ
 وَفِي اَلْاَوَّلِ اَلْحَقِ وَقَارِصِ اَلْبَاطِلَةِ وَكَلَامِ
 اَلْمَقْصُولِ اَلْبَاطِلِ فِي اَلْاَوَّلِ اَلْمَلَكُوتِ

دوسرا علم۔ کافروں سے بحث و مجادلہ کرنا ہوا اور
 اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے
 کہ بدعتوں کو رد کیا جائے اور شیعہ زائل کو جائز
 اور اس علم کے متکفل متکلمین ہیں۔ اور ہم نے اس
 علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہوا کا نام رسالہ
 قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اس کا نام
 الاقتصاوی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا
 عوام کے عقیدہ کو بدعتوں کی رضہ اندازی سے
 محفوظ رکھنا ہے اور اس علم میں حقائق ظاہر نہیں
 لکھے جاتے۔ اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جس کا نام
 تہامۃ الفلاسقہ ہے اور مستطہری جو باطنیہ کی رد
 میں ہے اور بقۃ الحق۔ وقاصم الباطنیہ۔ لکنا البطل
 لطائف فی اصول الدین۔

۱۔ جو اہل القرآن کا کامل شرح ہے اس میں جو کچھ لکھا ہے اس میں جو کچھ ہیں اور یہ عبارت اس میں موجود ہے

ان تعریجات سے قطع نظر کر کے امام صاحب کی کتابیں خود اس بات کی شہادت
دے رہی ہیں وہی عقائد جنکو کتب کلاسیہ میں بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہیں، دوسری
تصنیفات میں ان کی نسبت لکھ دیتے ہیں کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے

جن تصنیفات میں امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور ان کے حقائق بیان
کے ہیں ان کو نہایت اہتمام سے تحقیق رکھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور
سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہیں، خدا کی ذات صفات، افعال، اور قیامت کے متعلق
عقائد کو انہوں نے ایسا العلوم وغیرہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جو اہل القرآن میں لکھتے ہیں کہ

وَهَذِهِ الْعُلُومُ الْأَكْبَرَةُ الَّتِي عَلَّمَ اللَّهُ
وَالصِّفَاتُ وَالْأَفْعَالُ وَعِلْمُ الْعَادَاتِ
مِنْ آوَالِهِمْ وَبِحَاكِمِهِمُ الْقَدَرُ الَّذِي رُفِقْنَا بِهِ
مَعَ دُصُورِ الْعَمَلِ وَالْشَّوَابِ وَالْأَفْكَاتِ
وَقِلَّةِ الْأَهْوَاءِ وَالرُّفْقِ بَعْضُ الشَّيْخِ
يَكُنْ لَهُ لِنُظْمِهِ قَاتٌ يَكِلُ عَنْهُ الْأَهْوَائِ
وَلَيْسَ فِيهِ الصَّعَادَةُ وَهَوَاؤُ الْمُتَوَسِّمِينَ
يَا أَعْلَمُ لَا يَصِفُ أَهْلَهُ إِلَّا عَلَى سَنَنِ
حَلَمِ الظَّاهِرِ وَسُكُوتِ بَيْتِ الصِّفَاتِ
الْمُدَّ مَوْجِدِ النَّفْسِ مَرُوفِ الْفِيحِ كَهَيْئَةِ النَّارِ

یہ چاروں علوم میں علم ذات و صفات و افعال و عادات
انکی ابتدائی اور جامع مول، جہاں تک یہ علوم ہو کر
میں نے بعض تصنیفات میں درج کئے۔ باوجود ان کی وضاحت
اور بہتین بہت تعین، اور دوست و مددگار ہاں شیخ،
لیکن ان تصنیفات کو میں نے ظاہر نہیں کیا کیونکہ اکثر لوگ
ان کو سمجھ نہ سکتے اور ان سے ان کو نقصان پہنچتا اور
مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہیں، ان تصنیفات کو صرف
ان لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے جنکو علم ظاہر
کمال حال ہو چکا ہو اور صفات مذکورہ کے دور
کرنے میں اس قدر روش کر چکے ہوں کہ ان کا نفس علم

نَفْسَهُ وَاسْتَفْتَى عَلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ فَلَمْ يَنْفُ
لَهُ حَقٌّ فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَنْفُ لَهُ حَقٌّ فِي الْآخِرَةِ
وَذَرَيْنَ مَعَ ذَاكَ فَطَعْنَهُ وَقَادَهُ وَفَرَّجَهُ
مُنْقَادَهُ وَدُكَّاهُ بِلَيْعَةٍ وَهَمَّ صَادِكًا
وَمَكْرًا عَلَى مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ الْكِتَابُ بَيِّنَةٌ
أَنْ يُظْهِرَ إِلَّا عَلَى بَرٍّ يَجْمَعُ مِنْهُ هَذِهِ وَالْعُقُوبَةُ

ہو گیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو، اور
طلب حق کے سوا انکی اور کچھ فرض نہ ہو۔ ان سب باتوں کے
ساتھ ذلی الطبع خوش فہم۔ مدید الذہن۔ سلیم الطبع ہوں
جس کے ہاتھ میں یقین پڑ جائے اس پر حرم کہ کسی شخص
سانسے اُس کو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کہ جہین یہ تمام
صفات جمع ہوں

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کرو۔ فرماتے ہیں کہ ردہ ملی حقائق لوگوں کے
سانسے بیان کئے جائیں تو اُن کی سمجھ میں نہ آئیں اور اُن کو نقصان پہنچائیں۔ اس پر شک کی
خیال ہوتا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علماء کے سانسے اظہار حقائق میں کیا تاویل ہو سکتا ہے اسی
جنا و یا کہ آج کل جو علماء ہیں وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہیں

مخاطب صحیح کے لئے بڑی قید یہ لگاتے ہیں کہ دنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہ ہو
اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اہلی کے ظاہر کرنے پر، عوام بہم ہوتے ہیں، اسلئے اس
منصب کا وہ سختی سے جس کو عوام کی کچھ پروا نہ ہو۔

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات میں تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اہلی خیالات
کس کس غیر معمولی پیرائے میں ظاہر کرتے ہیں، ابن رشد نے اپنی تصنیفات میں صاف
لکھ دیا ہے کہ جمہور کے سانسے اہلی حقائق ظاہر نہ کر نی چاہئیں۔

اب مدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگوں میں خزانہ

سر بہ مقرر کھا تھا ان کو وقف جام کر دے۔

قدیم علم کلام میں صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، جہشیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک، کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں ان کے نزدیک، نقد و تخریح، طلاق، غلامی، بھادو کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے باطل نیکی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی۔
اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پر آج کے بیان کی جائیں کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل میں اتر جائیں۔ قدیم طریقہ میں پہنچ در پہنچ مقدمات، منطقی ملاحظات، اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف، مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل میں یقین اور وجدان کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی تھی۔

غرض، جدید علم کلام کے ترتیب دینے میں، انہی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر میں تجویز کے ساتھ، ان بزرگوں کے نام بتا دیئے بھی ضرور ہیں۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ ابو سلمہ مہلبانی، قتال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راجب اصفہانی۔ ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا میں ایک غل جچ گیا ہے کہ ”علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ“ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے۔ فلسفہ اور مذہب کے معرکہ میں ہمیشہ اس قسم کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں، لیکن آج یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیم قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لئے وہ مذہب کا انحصار نہ کر سکا بخلاف اسکے فلسفہ جدید تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لئے مذہب کسی طرح اُس کے مقابلین جانبر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھ کر تمام دنیا میں گونج اٹھی ہے، لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ اس واقعیت میں مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہو گیا ہے۔

یونان میں فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس میں طبیعیات، عنصریات، فلکیات، الحیات مابعد الطبیعیہ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ کے نہایت صحیح مہول پر اس کے دو حصے کر دیئے جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہو گئے ان کو سائنس کا لقب دیا جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے ان کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہیں اس میں پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزیں قطعی اور یقینی ہیں وہ صرف سائنس کے مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں انکی نسبت طبقہ علمائے کسی قسم کا اختلاف نہیں، لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہیں ہے۔ یورپ میں آج فلسفہ کے میسون ہکول ہیں، اور ان میں اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہو سکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہئے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے۔ سائنس جن چیزوں کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہیں، عناصر کس قدر ہیں؟ پانی کن چیزوں سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کس قدر طبقا ہیں؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہیں، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہیں، مذہب جن چیزوں سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہیں خدا موجود ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہیں؟ وغیرہ شرابی کی دبی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ ثواب و عقاب ہے یا نہیں؟ ان میں سے کوئی بھی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزوں کا علم نہیں بلکہ یہ چیزیں شاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہیں، یا یہ کہ ہم ان باتوں کا یقین نہیں کرتے کیونکہ ہم صرف ان باتوں کا یقین کرتے ہیں جو تجربہ اور شاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہیں، کوتاہ نظر مدد علم علم عدم سمجھ جاتے ہیں۔ سائنس والے کہتے ہیں کہ ہم کو یہ چیزیں معلوم نہیں، کوتاہ بین کے یہ سمجھنے لیتے ہیں کہ ہم کو ان چیزوں کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یورپ میں تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لئے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کام میں اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیز سے مطلق غرض نہیں۔ ان میں ایک فرقہ ماہرین کا (میٹریسٹ) ہے جس کا موضوع بحث

ماوہ ہے اس گروہ نے ماوہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کئے ہیں یہی فرقہ جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا خدا کا روح کا شکر ہے لیکن درحقیقت وہ ان باتوں کا شکر نہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کا ثبوت ہمارے دائرہ تحقیقات کا باہر ہے پروفیسر لیتیر *LETIRE* اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہے لکھتا ہے کہ بچوں کے ہم کائنات کی آغاز اور انجام سے ناواقف ہیں اسلئے ہمارا یہ نصب نہیں کہ کسی ازرا یا بادی وجود کا انکار کریں جس طرح ہمارے کام بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ مادی مذہب اپنے آپ کو عقل کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اسکی تحقیق کسی قسم کا علم نہیں ہے۔ حکمت الہی کے متلک ہیں نہ مثبت۔ ہمارا کام غنی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے۔

فرانس کے ایک طبی رسالہ میں ایک دفعہ ایک مضمون چھاپا تھا کہ "ادراک و فکر اس فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ میں ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت خلک شرافت نفس، یہ سب اعضائے انسانی کی کیمیائی متوجہات ہیں" اس پر فرانس کے ایک مشہور فاضل کامل فلاطین نے جو طبیعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس میں اسنے مضمون نگار سے اس طرح خطاب کیا۔

”پس نے تم سے کہا: لوگوں کو گمان ہو گا کہ تمہارے استادوں نے تم کو یہ سکھایا ہو گا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہیں، میں نہیں جانتا کہ یہ یہ وہ دعویٰ زیادہ تر قابلِ تعجب ہے یا مدعیانِ علم کی جرات، بیوقوف جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ”بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے“ کچل کچل کر اتنا کہ مدترم ان چیزوں کو فرض کر لو، بخلاف اس کے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ نہم ثابت

کرتے ہیں ”دہم بل کرتے ہیں“ یہ جو دوسرے یہ حد و مہرکہ دو علم نے فیصلہ کر دیا ہے ”دو علم نے
یہ ثابت کر دیا ہے“ حالانکہ تمہارے ان دعوؤں میں علمی دلائل کی جھلک بھی نہیں تم اپنی قسمت
سے دلیری کر کے علم پر اس قدر بربار ڈال دیتے ہو؟ جو باتیں تم کہتے ہو اگر علم کے کابینہ
پر جانیں (اور پڑنی ہی چاہیں کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمہاری حماقت پر اس کو منسی آجائی
تم کہتے ہو کہ ”علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ آمر ہے۔ ناہی ہے“ یہ باتیں اہلکے غریب علم کے ہو ٹوٹنے
ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھ دیتے ہو جس سے ممکن ہے کہ اُس کے دل میں غرور آجائے
غریزہ! علم ان تمام مسائل میں سے کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار۔

یہ ہے ماہرین فن کی رائے، لیکن بعض کم درجہ کے ماہرین اپنی حد سے بڑھ کر فنی کا دعوے
بھی کر بیٹھتے ہیں، اور انہی کی طبع کاریاں ہیں جس نے ہمارے ملک کے نوجوانوں کی آنکھوں کو
خیرہ کر دیا ہے، اسلئے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے دعویٰ پر کس قسم کے
دلائل قائم کرتے ہیں۔ مثال کے لئے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق
اُن کے اقوال نقل کرتے ہیں

ڈاکٹر مشعل Sheffer کہتا ہے کہ ”روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو
اعصاب سے پیدا ہوتی ہے“ دیرتو کا قول ہے کہ ”روح ایک قسم کی میکانیکل حرکت ہے“
لوٹنر Buchner کہتا ہے کہ ”انسان صرف مادہ کا ایک نتیجہ ہے۔ دو ہزار میون
Du Bois: Reymond کہتا ہے کہ ”تمام اعصاب میں ایک کہربائی متوجہ پایا جاتا ہے
اور جس کو فکر کہتے ہیں وہ مادہ ہی کی ایک کا نام ہے“ دو تروشی Du Dutrochet

جو نیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہیں بلکہ ایک اتفاقی آئینہ ہے جو مادہ کے عام اصولوں کے مخالف ہے۔ فرانس کے ایک شہر کے رہنے والے ایک مضمون میں بیان کیا تھا کہ داغ میں جو فاسفورس ہے ٹکڑی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو اخلاص، شجاعت اور فضیلت کہتے ہیں وہ اعضائے جسمانی کی کبریاں ہیں۔ کیا یہ زمین قطعیات میں شمار ہو سکتی ہیں۔ کیا انکی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ علما جدیدہ نے روح کو بطل ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہیں۔ سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہیں اور مذہب کو جن چیزوں سے بحث ہے سائنس کو ان سے کچھ غرض نہیں، فلسفہ البتہ کہیں کہیں مذہب سے ٹکراتا ہے لیکن قطعیات اور یقینیات میں اس کا شمار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مختلف اصول ہیں اور ان اصولوں میں باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض خدا کے منکر ہیں تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہیں، وجود روح کے تقریبی ہیں اور منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہیں اور دوسرے کے نزدیک کچھ۔ اس حالت میں مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چودیدی کہ در دشمن قاصد جنگ

خط بحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونوں میں سے کوئی اپنی حق برٹھ کر دوسرے کی حد میں قدم رکھتا ہے اور یہی غلط بحث تھا جس نے علامہ اور سکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی بلکہ حقیقت اسی غلط بحث نے الحاد اور بی دینی کے

خیالات پیدا کر دئے۔ یورپ میں پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کر دیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی عقلی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہیں سکتا تھا چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے اسپن میں مجلس انکوینیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہوں ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر اور ارتداد کا الزام لگا دے، چنانچہ اٹھارہ برس میں ہی مسئلہ سے لیکر ۱۸۷۹ تک دس ہزار دو سو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام میں زندہ آگ میں جلا دئے گئے، اس مجلس نے ابتدا سے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو کافر اور بد قرار دیا جن میں سے کئی لاکھ آگ میں جلا دئے گئے۔

جس قسم کی باتوں پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو گا کوپرنیکس نے نظام بطلیموسی سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ اس پر مجلس انکوینیشن نے فتویٰ نافذ کیا کہ یہ رائے کتابِ قدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنیکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلیو نے جو دوربین کا سو جگہ زرا ہے ایک کتاب کوپرنیکس کی حمایت میں لکھی جس میں ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکوینیشن نے فتویٰ دیا کہ وہ مشتبہ سزا ہے چنانچہ اس کو گھنٹوں کے بل کھڑا کر کر یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیج دیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔ کوپرنیکس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کا ارادہ مذہب کے خلاف ہے۔

زمین کے گروہی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریوں نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے۔

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریوں نے کفر و ارتداد کے الزام لگایا تاہم چونکہ علمی ترقی کا امتحان تھا ان کی کوششیں بے کار گئیں، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سایہ پہنچے اور پھلے۔

پادریوں کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبانے کے لیکن اس کی نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریوں ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے ان کی رائے قائم ہو گئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے یہی ابتدائی خیال ہے جس کی اول بار گشت آج تک یورپ میں گونج رہی ہے

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ میں کسی طرح نہیں ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ اَنْتُمْ عَلٰوْا مَآءِیْ رَدِّیْنا لَکُمْ عِیْسٰی ثُمَّ لَوْکُمْ و نِیَا کی باتیں خود خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے تعلق میں معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہیں۔

اس موقع پر نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام میں سیکڑوں فرقے پیدا ہوئے اور ان میں اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محمد و دہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات اور اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہیں ہو گئی

قدما سے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریاب ہے، بادل اسی سے پانی لیتے ہیں اور برساتے ہیں، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ میں غروب ہوتا ہے زمین سطح کر دی نہیں، ستارے جو ٹوٹے ہیں شیطاں کے شعلہ ہلے آتیش ہیں، مفسرین ان تمام باتوں کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر میں نقل کئے ہیں،

لیکن جب جمہوریوں کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبیعیات نے ترقی کی تو لوگوں نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ میں سے ایک شخص نے بھی ان لوگوں کو کافر اور منکر قرآن نہیں کہا، منکر کہ کو حدیث میں اس بنا پر کافر کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں لیکن اس بنا پر کوئی انکو کافر نہیں کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہیں، غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کی جائے عموماً یہ ثابت ہو گا کہ مسلمانوں نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف متقابل نہیں سمجھا بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات، اور مسائل مذہب، وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہیں اور انہیں کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ الباقین لکھتے ہیں۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ أَنَّهُ لَا يَتَّبِعُونَ مَا كَذَّبَتْ عَنْهُمْ رَبُّهُمْ	انبیاء کا ایک اصول یہ ہے کہ جو مرتد تہذیب نفس اور قوم
الْقُلُوبِ وَبِأَسْمَاءِ الْكَلْبِ كَيْفَ كَانَ أَسْبَابُ حَقِّهِ	کی سیاست سے غفلت نہیں رکھتا، ان میں وہ مشغول نہیں ہوتا
الْحَيَوَانِ الْمَطْرُوقِ وَالْمَكْسُوفِ وَالْهَالِكِ بِحُجَّتِ النَّبَا	مثلاً بارش لگن؟ اور بار کے اسباب بیان کرنا یا نبات

اَوَحْيَوْنَاكَ كَـعِبَادَاتِ يَاجَاذِ سَوْجِ كِي رِفَار۔ يَاجَا
 رُو زَانَهُ عَوْدَاتِ كَسَابَابِ يَاجَا بِيَارِ اَوَسْلَاطِ كِي كَسَبِ يَاجَا
 شَهْرُ نَسْطِ عَمَلَاتِ بِيَانِ كَرْنَا۔ اِن خِيَرُونَسْ وَهَبُ شَانِهِنِ كَرْتَسْ
 كَرْنَا اِن خِيَرُ مَوْلَى بَاتِيْنِ جِسْسے لَو كُونِ كُونِ شَانِهِي كِي لَو
 اِن كِي عَقْلُونِ اِن بَاتُونِ كُو قَبُولِ كَر لِيَا سَ، اِن بَاتُونِ كُو
 بِي بِيَا عَلِيْمِ سَلَامِ صَدِ كِي شَانِ اَوَرِ قَدَرْتِ كُو كَرِيْمُونِ
 طَوْرِ بَرَا جَمَالِ اِيَانِ كَرْتَسْ يِنِ اَوَرِ يِنِ جَارِ اَوَرِ سَهَارِ
 كَامِ يَتِيْمِيْنِ، اَوِي سِي وَجْهْ كَسَبِ لَو كُونِ مَغْفَرْتِ سَ چَا
 كَسْنَسْ بَرَحْنِ كِي عِلْتِ دَرِيَا فْتِ كِي تَوْدَانَسْ كِي جَوَابِ
 سَ اِعْرَاضِ كِيَا اَوَرِ اَكْسِ بَجَا سَهِيْنِ كِي تَسِيْنِ كَا فَاوَرِ
 بِيَانِ كَر دِيَا خِيَا نِجَهْ فَرَا يَا وَيَسْتَلُونَكِ اِن
 شَاهِ صَاحِبِ نَسْ بِيَا رِي تَعْلِيمِ كَا جَوَهُولِ بَتَا يَا اِسْ كِي كُونِ كَسْ كَسْ سَ كِي مَذْهَبِ
 اِسْلَامِ كُو، سَامَنَسْ اَوَرِ عُلُومِ جَدِيدَه سَ كَسِي قَسْمِ كِي خَطَرَه پُونِجِي كَا اِحْتِمَالِ سَ۔



مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے

انسان اور حیوان کا مقابلہ کرو حیوان اپنے ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیک پیدا ہوتا ہے۔ ان کا لباس ان کے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے چنچے ناخن۔ ڈنک۔ کے ہتھیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جن غذاؤں اس کی زندگی کا مدار ہے پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف شگول ہوا پہاڑ منشی ہوا دریا ویرانہ ہوا آباد ہر جگہ مہیا ملتی ہیں۔

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کمزور ہوتے ہیں، جسم پر کوئی لباس نہیں ہوتا دشمن سے حفاظت کے لئے سینک یا بچہ نہیں ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزیں اسکے گرد و پیش ہوتی ہیں، اگلے کی ب اُسکے دشمن نظر آتی ہیں، آفتاب کی گرمی، بادلوں کی مچھڑی، اونوں کی لپٹ۔ جڑوں کی ٹھنڈ، ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کرنے کے لئے قدرت نے اس کو کوئی جہانی ہتھیار نہیں دیا، کیونکہ جن بیشمار اور پر زور دشمنوں کا اس کو سامنا کرنا تھا، اسکے لئے کوئی جہانی آلہ کافی نہیں ہو سکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتھیاروں کے بدلے ایک ایسی عام قوت

اس موقع پر چنانہ و خاں سورہ کس حصہ میں ہونی چاہی اور کچے مکا اور ملا کے اقبال نقل کئے ہیں لیکن ہم نے انکی اصل تفسیفات کے دیکھو کی نسبت نہیں اٹھائی ہے بلکہ سر کے ایک فاضل صنف کی تفسیفات پر استناد کیا جو جسکا نام فرید وجدی بابک ہے اس بحث میں اسکی دو مصنفین ہیں تعین الدیانتہ الاسلامیہ اور جھقیقہ الفکریتہ۔ یہی باد بخت کا نام ہے اور اس کا تذکرہ مولانا ابوالخیر احمد علی خاں نے کیا ہے اور مولانا ابوالخیر نے جو تفسیر تاجا کو انگریزی زبان میں کیا اور کوئی زبان نہیں لکھا ہے اس کے متعلق مولانا علی گڑھ صاحب نے فرمایا ہے

عطا کی جبکہ ذریعہ سے اُس نے ہر قسم کے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے ہذا سامان طیارے کے دھوپ گرمی جاڑے سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانور و نکلے مقابلہ کے لئے تیغ و فخر طیارے کے دریاؤں پر پل باندھے پہاڑ تراشے۔ لوہا بگلیا۔ برقی کوئی کیا ہوا کو تھا، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُس کے چمکے اقتدار میں تھی۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے۔ لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسانی ترقیاں بلند سے بلند تعلق پر بھی پہنچ کر تھم نہ پائیں، اس لئے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہیں لینے دیتی، وہ اس کے مخالفوں کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کئے جاتے ہیں، جن بیاریوں کا علاج معلوم ہو چکا تھا، ان کے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اس کے علاوہ نئی آبادیوں کا پتہ لگتا ہے اور وہاں نئے ضروریات پیش آتے ہیں۔ آرام و آسائش کے جو سامان میلا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہیں، مجبوراً انسان ان نئے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے نئی طیاریاں کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے۔

مالم کوں اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی ہمہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیوں کی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑوں ہزاروں نئے ایجادات کا سلسلہ قائم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان پیر وئی دشمنوں اور مخالفوں سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنوں کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے

اس کو ہمیشہ سخت معرکہ آرا میان رہتی ہیں۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ غنیمت و بیگانہ دوست
 و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ مگر پھر وری کا لگاؤ
 کہ مخالفوں کا نام صرف ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی
 گردنیں جھک نہ جائیں، آرام نہ لے خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا میں کسی کا پردہ عظمت
 محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنوں سے بچانے کے لئے ایک **عقل** کا کام آتی ہے
 وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا فقد کرو گے تو وہ بھی اگر تم کسی کو برباد کرنا چاہو گے تو وہ
 بھی چاہے گا تم دوسروں کی عزت نہ کرو گے تو وہ بھی نہ کریں گے لیکن دلائل تو اس قسم کی چیزیں ہیں عقل جس
 خاص تعلیم یافتہ شخص میں ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہیں
 جہاں اس قسم کے انتقام کا سطلق اندیشہ نہیں ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا
 احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہیں ہوتی۔ ان موقعوں پر عقل ان پر زور مخالفوں کا
 مقابلہ نہیں کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہی، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو ان
 دشمنوں کے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام **نور ایمان**، کائنات، حاسنہ اخلاقی ہے، اور
 یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ قوت انسان کی اصل عظمت میں داخل ہے، عالم و جاہل۔ رذیل و شریف شاہ
 و گدا۔ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب ایمین برابر کے حصہ دار ہیں اور یہی معنی ہیں
 قرآن کی اس آیت کے

قَامُوا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ الَّذِي مَلَكَ يَمِينُكُمْ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

فَطَرِ النَّاسِ عَجَبًا كَمَا كُنْتَ تَلْخُصُّ لِلنَّاسِ ذَلِكَ
 الَّذِي بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْكَفِّ النَّاسِ كَمَا كُنْتَ تَلْخُصُّ
 جرن کا ایک حکیم کسم لکھتا ہے، مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے
 وہ کسی زمانہ میں کبھی معدوم نہیں ہو سکتا، فرض کا مشہور فاضل معلم رینان جو مذہب کا پابند نہ تھا
 اپنی کتاب تاریخ مذہب میں لکھتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں،
 اور کل وہ چیزیں جو نماند زندگی میں مسبب ہیں مٹ جائیں، لیکن یہ نامکن ہے کہ مذہب دنیا
 معدوم ہو جائے یا اس کی قوت میں زوال آجائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا
 کہ مادی مذہب (میٹریسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس
 پست خالی زندگی تک محدود رہ جائے

پروفیسر سبیت SABATER فلسفہ دینیہ میں لکھتا ہے، "میں کیوں پابند مذہب
 ہوں؟ اس لئے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات
 میں ہے، لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج، کا اثر ہے میں نے خود اپنی رائے
 پر یہی اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا مذہب
 کی ضرورت جس قدر عجوبہ اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے، اس سے زیادہ عام ہوساسٹی کو ہے
 مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور
 اُس نے نئے برگ و بار پیدا کر لئے ہیں، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے کبھی زائل نہیں ہو سکتی

لے یہ دونوں قول تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۵۲ میں مذکور ہیں

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی اور اسی قوت پائیدار دنیا کی اخلاقی نظم و نسق کو اسی ماسہ نقیبی نے تمام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر مدار ہو تو یورپ کا اخلاقی پلہ اس قدر تمام دنیا سے بجاری ہو گیا ہوتا جس قدر تعلیم و تمدن اس کا پایہ بلند۔ دنیا میں افراد انسانی کے خاص خاص غنصات یعنی زبان، قوم، ملک، صورت رنگت کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزیں قدر مشترک رہ جائیں گی، ان میں ایک مذہب ہو گا اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب، فطری چیز ہے جن چیزوں کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہیں مثلاً اولاد کی محبت، اتمام کی خواہش، کمال کی قدر دانی، وغیرہ وغیرہ ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہیں وہ تمام مذاہب میں یکساں پائے جاتے ہیں خدا کا وجود، اسکی پرستش کا خیال، حیات بعد الموت، اعمال کی جزا و سزا، رحمتی، ہمدردی، عفت کا اچھا سمجھنا جھوٹ، دغا، زنا، چوری کو برا جانا۔ دنیا کے تمام مذاہبوں کا اصل چول ہے

فطرت نے افراد انسانی میں بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے۔ دولت و مال، جاہ و خرم و فضل و کمال، ذہن و دکا۔ کے عطا کرنے میں ایک طرف تو یہ میناضی ہے کہ اس سے

نیا وہ جو نہیں مکتی۔ سکندر و قیصر۔ ارسطو و افلاطون۔ تومر و فردوسی۔ اسی فیاضی کے نمونے ہیں
دوسری طرف یہ بل ہے کہ انسان اور بندہ میں اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ **قارون** کو نظر
مکت نہیں آتا۔ باریجیاتی میں شرف از نگہ کی اور مدارحیات میں وہ تمام افراد انسانی میں یکساں عطا
کی ہیں۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اس طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا۔ بولتا چلتا ہے
جس طرح یونان کا بڑے سے بڑے حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا مقصد رخصہ جو تمام دنیا کی قوموں میں مشترک
ہے لازماً انسانی تھا۔ اور اس وجہ سے قدرے تمام قوموں کو یکساں عطا کیا، ارسطو اور تومر
بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، علم اچھی چیزیں ہیں
لیکن افریقہ کا ایک وحشی جو تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزوں کو اچھا جانتا، اور
اچھا سمجھتا ہے۔



مذہب اسلام

یہ ثابت ہو چکا کہ مذہب فطری چیز ہے یعنی جس طرح انسان میں ہمدردی محبت
جوش، انتقام، قدرتی جذبات پائے جاتے ہیں اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی
ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص میں کم کسی میں زیادہ کسی میں ضعیف کسی میں
بہ شدت، اور شاذ و نادر افراد میں بالکل نہیں پائے جاتے، بعینہ مذہب کا یہی حال ہے،
لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) حاسہ مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر
اس کے ذوق انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلئے مذہب کا جو قدر حصہ تمام انسانوں میں کیا
مشترک ہے وہ نہایت سادہ و مجمل اور ناقص ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اسی
صاف اور صریح تخیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا گرمی سردی بچنا،
ضروری ہے۔ اسلئے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے لئے
بھی مہیا کیا ہے، لیکن یہ ضرور نہیں کہ یہ سامان اعلیٰ درجہ کے بھی ہوں، کھانے کے لئے
سدر، رقیق، رہنے کے لئے خض کا جھونپڑا، لباس کے لئے دھتور کے پتے بھی مہیا ہو گئے
تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھ کر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل، مینجہا
طبوسات، سب کے لئے ہونے ضرور نہیں فَصَلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین،
نبوت کا اعتراف، لازماً انسانی تھا اسلئے سب فرقوں میں مشترک رہا اور اس میں کسی
قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہیں، کس قسم کی

تمام مذاہب ہیں
کسی ایک کی ترجیح
کی وجہ

عبادت فرض ہے، کیوں فرض ہے؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا سے کیا غرض ہو؟
نبوت کے کیا معنی ہیں؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب میں کیسا نہیں مل سکتا۔
اس میں فرق مراتب ہے اور حسب نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا
ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے

یورپ میں سکرین مذہب کا جو گرد و پیدا ہو گیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے
انکے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ میں سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل
جواب نہیں پاتے

پروفیسر لاروس Larousse مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے
”و اگر ہم کہتے ہیں کہ ان باتوں کا اعتقاد کرنا چاہئے جو عقل میں آئیں، تو ہم سے کہا جاتا ہے
نہیں ہرگز نہیں عقل کو جو نیک و بد کی تمیز سے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب عقل کی آنکھیں ابھرتی
انہی کو دیکھا جاتی ہیں کہ خرق عادت، ایک معمولی بات بن جاتی ہے، سفید سیاہ ہو جاتا ہے، بد نما خیر
خوش نما ہو جاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈال دو اسکے آگے، عقل کے آگے؟
نہیں فطری فرائض کے آگے؟ نہیں، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہیں، اصول فطرت کے آگے؟ نہیں۔
انسیچو جن کا انسان نے جو فرائض کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب
کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان
کر کے لکھتا ہے کہ ”مذہب جن بنیادوں پر قائم ہوا ہے وہ علم کے مخالف ہیں اور اس لئے

یورپ کو خیر ہے
کیونکہ مخالفت ہے

یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائیں۔

برٹلو **Bertolo** لکھتا ہے ”علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور بات کا خون نہیں رہا کہ مذہب اسکو دبا لے۔“

ان تقریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالفین اسلئے وہ صحیح نہیں ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے تمام اصول عقل کے موافق ہوں تو منکرین کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا، اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام ”دیوینا تھیلیٹینہ“ رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب موجودہ غلط ہیں لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دئے جائیں تو وہ نئے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا۔

فطری مذہب

ٹرول یہاں نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے۔

نواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں، نئی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اپنے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور یہی فطری عبادت ہے۔“

فطری مذہب کا خاکہ

”یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جہلمانی فائدوں سے اسی طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقیدہ سے، تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لئے ایک لادری خیر ہے۔“

غرض خواہ ان اقوال کی بنیاد خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لئے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید۔

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو۔

(۳) عبادات کے یہی نہ قرار دئے جائیں کہ وہ منقسم بالذات ہیں اور خدا ہمارے

تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے تجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دنیوی فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے

دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست دباؤ بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دیکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے

ایک نیا مذہب
کیا اور کیا
ہو سکتا ہے

ہم اس کتاب میں اول انہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہیں

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ تمام مذاہب میں عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دینا میں آج جس قدر مذاہب موجود ہیں ان سب میں یقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہ دیا ہی جائے۔ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان میں سے کوئی چیز اس کی جبری کو کم نہیں کر سکتی، اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق، فلسفہ، ریاضیات میں سیکڑوں عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیاں نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ ”ایک تین ہیں اور تین ایک“ تو اس کی نقادی اور سختہ سخی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہو کر جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلاں بت پر میں نے نذر چڑھانے کی جو سنت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب میں سیکڑوں حکماء و علمائے بڑے ہوتے ہیں لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہیں پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہیں پہنچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے اجماع میں چھپ جاتے ہیں، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور نامکانات کا مجموعہ بن جاتا ہے،

ہری چیز ہے جس سے یورپ کے آڈا دنیا لوگ کو مذہب سے متفرق بنا دیا ہے پر پھر اس کو
لے کر تمام دنیا مذہب کے برباد ہو جانے کی وجہ بنیں گوئی کی ہے اسی تاپ کی ہے کہ مذہب عقل کو
مرا کر ناچا ہٹا ہے اس لئے ضرور کہو دہ برباد ہو جاتا ہے یہی پر عقل ایک مقام پر کھڑا ہے
کہ اگر ہم بغیر خود غرضی اور دھرم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائیں کہ دنیا میں اس وقت تک میں قدر
کوی، دماغی، اور اخلاقی ترقیاں ہوئی ہیں یا نہیں کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب
ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجے سے نجات پانا

اب دیکھو اسلام کی کیا تائید ہے؟

اسلام کی تائید

قرآن مجید میں یہودیوں، عیسائیوں بہت پرستوں اور پلھروں کو سیکڑوں جگہ مختلف
طریقوں سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ تفقید ان
عقائد کو مان لو بلکہ ہر حکم اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے ان کو منوانا چاہا ہے
اور تفقید پرستی کی سخت برائی کی ہے، مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَمَا كُنْ تَرَىٰ أَكْثَرَهُنَّ بَشَرًا لَّا خُبْرًا وَلَا كِبَرًا ۚ أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ تَرْثَانِي ۚ أَيْ لَيْكُنْ يَدُوكُ
ہاکیما وھو عنہما معی صوفی د۔ (بوسف)
کھو تاق بکھو بکھو صوفی د۔ یہاں اسدہ اہل قبل وکبری
رنا وحبہ نا اہلک نا علی ائمہ واکاک علی
اکا وھو مقدہ ونا (۲۵۰)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں عقل کی تائید نہیں کی جاتی بلکہ اس کی نفی کی جاتی ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُرْقَانَ

کیا یہ لوگ، قرآن پر غور نہیں کرتے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ الرَّسُولِ وَالْكَافِرِينَ

کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کے کارخانہ کو (غور سے) نہیں دیکھتے

یہ تمام باتیں تو کئی طور پر عقل سے کام لینے کے مستحق تھیں، مذہب کے تمام اصول و مروج

کے متعلق اسلام نے جو یقین کی دعوت دی، عقل کی بنیاد پر

نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ الرَّسُولِ وَالْكَافِرِينَ

ایسا منہ سٹپ نہ پھر کر کہ دین کی طرف سے یہ خدا کی وہ طرف

النَّاسِ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ الرَّسُولِ وَالْكَافِرِينَ

جسے خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہی، خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اس کے یہ طریقے بتائے

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ الرَّسُولِ وَالْكَافِرِينَ

ایز خدا کی راہ کی طرف لوگوں کو بلا و حکمت و نصیحت اور ان

النَّاسِ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ الرَّسُولِ وَالْكَافِرِينَ

لوگوں سے ہمیشہ وہ طرز پسندیدہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہاں کہیں بیان کئے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اس کی عقلی

دلیل بیان کی۔ خدا کے نبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہیں کہ اس کتاب میں اسکا

احاطہ نہیں ہو سکتا و حدانیت کو اس طرح ثابت کیا

لَوْ كُنَّا فِي مِيقَاتِ آيَاتِهِ أَفَلَا نَتَذَكَّرُونَ

اگر آسمانی مہینوں میں ہی خدا ہوتے تو وہ دنوں میں خدا کی آیتاں

خدا کے ماحول ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

أَفَلَا يَعْلَمُونَ حَقِّقَ

کیا جنے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نبوت پر مخالفوں کو جو تعجب تھا اس کو اس طرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدِينِ عِبَادِ الرَّسُولِ کہہ دو کہ میں جبرون میں سے کوئی انوکھا نہیں

معاذ کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا

قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَتَّىٰ تَتَذَكَّرُوا کہہ دو کہ وہی زندہ کریگا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا

أَوَلَيْسَ الَّذِينَ خَلَقَ السَّمْعَ فِي الْأَرْضِ كَمَا جَسَدُ السَّمَاءِ اور زمین پیدا کیا وہ اس پر قادر ہیں
بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يَّخْلُقَ مَا يَشَاءُ کہ ان جیسے اور پیدا کر دے گا

معاذ کی ضرورت اس طرح ثابت کی

أَخْبَسْتُمْ أَنْ تَخْلُقُوا مِمَّا خَلَقْتُمْ عِبَادًا كَمَا خَلَقْتُمْ اَلْأَنْفُسَ الَّتِي جَعَلْتُمْ کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے ان کو لوث کرنا آؤ گے۔

غرض خواہ نفس مذہب، خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاصہ اسلامی عقائد
جس چیز یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی اور ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ اُن عقائد
کو **مذہب** کہو۔

اس موقع پر یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ آج کل زمانہ کے مذاق کی وجہ سے تمام
اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہیں کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ خود
انکا دعویٰ ہے یا ان کے مذہب نے نبی ایسا دعویٰ کیا ہے

اسلام کے سوا دوسرے مذاہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت
ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہئے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو تمام
دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

وجود باری

خدا کے اثبات پر قدام اس طرح استدلال کرتے تھے کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہیں ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اس لئے اس کی زیادہ چھان بین نہیں کی گئی لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزیں جو عالم میں موجود ہیں، دو چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ مادہ اور ایک خاص صورت۔ جو چیز بدیہی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز مذبذبا ہوتی ہے تو صرف اُس کی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کانڈ کو جلا دے گا غنڈ بن جائے گا، اب کانڈ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کر دو کسی کسی صورت میں وہ قائم ہوگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تخریب پیش کیا جاسکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جاسکتا ہے، اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہیں، اور جب عالم کا حادث ثابت نہیں تو استدلال بھی صحیح نہیں، اسطرطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی وہ کہ عالم کے تمام اجزاء میں

کسی کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑے رستے میں یا گھٹے میں
اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے جن چیزوں کو ہم کمالِ غمہ وقائم دیکھتے ہیں، اُن کے
اجزاء بھی بدلتے رہتے ہیں یعنی پرانے اجزاء فنا ہوتے جاتے اور اُن کے بجائے نئے آتے
جاتے ہیں، اجزاء کا بدلتا رہنا بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لئے تمام عالم متحرک ہے اور
جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے، یا یہ سلسلہ
کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا یعنی اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام نشیاء
کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں، یہی خدا ہے، یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا، اس صورت میں غیر
تمنا ہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا، لیکن اسکی حرکت
حادث ہے اور خدا ہی حرکت کا خالق ہے، اس بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت میں حرکت
سے استدلال کیا حکماء اسلام میں سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے
بوعلی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا
قائل نہ ہو سکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس لئے اُس نے یہ اسے اختیار کیا کہ عالم قدیم ہی ہو
اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر یہ اعراض دار دیوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونوں قدیم
انہی میں تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علت و معلول
میں زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بوعلی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لئے صرف تقدم
بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہیں، مثلاً گنجی کی حرکت، قفل کے

کل جانے کی علت ہے لیکن کچھ کی حرکت اور قفل کے کھلنے میں ایک لحظہ اور ایک آن کا ہی
آگاہ کیا نہیں،

متکلیفین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی کیا تائی میں خلل انداز
تھا اس لئے انھوں نے عالم کے حدوث کا دعویٰ کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر
دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلیفین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لئے۔ پہلے
مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔

(۱) عالم میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ عرض یعنی چیزیں بذات خود قائم نہیں
بلکہ بپائی جاتی ہیں تو کسی دوسری چیز میں ہو کر پائی جاتی ہیں مثلاً بو رنگ۔ مزہ۔ بچہ بخوشی
جوش جوہر یعنی وہ چیزیں جو بذات خود قائم ہیں۔ مثلاً پتھر، لہو، پانی

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جوہر ہیں کسی نہ کسی صورت
اور ہیئت میں ہوتے ہیں اور صورت و ہیئت عرض ہیں، تمام جوہر میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت
پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے حسب قدر افراد ہیں اُن میں کسی نہ کسی عرض کا
پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم
ہو تو لازم آئے گا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں اُن میں سے ایک چیز اگر قدیم
ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم میں فیصل زمانی لازم تھا اور یہ محال

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ عالم و صورت سے خالی نہیں، جو ہر ہوگا یا عرض اور جو ہر و عرض دونوں حادث ہیں عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جو ہر اس لئے کہ کوئی جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو ہر عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے

اور جب یہ ثابت ہو کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لئے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت میں اگر یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے، اور نہ ختم ہوگا تو دور و تسلسل لازم آئے گا اور دور و تسلسل محال ہے متشکلیں کا یہ استدلال فروریوس (پارفریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام میں نقل کیا ہے لیکن یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہیں ہو سکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ جو ہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہئے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ عالم قدیم ہے، او علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متعین رہتا ہے یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہیں لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا ہم کہتے ہیں کہ اعراض کے ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے

تشکیل میں نے ادبھی بہت سی ولیکین قائم کی ہیں لیکن سب کی محنت اس بات پر موقوف ہے
 کہ سلسلہ غیرتناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے غیرتناہی کے محال ہونے پر حکماء اور فکریں نے
 بہت سے دلائل قائم کئے ہیں لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت میں جاری ہوتے ہیں جب یہ دلائل
 جائے کی سلسلہ مرتب ہو جو دسم لیکن بنکرین خدا عجل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہیں کہ ہر علت
 فنا ہو کر اُس کے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دولانی نے زوراً کی شرح میں دعویٰ
 کیا ہے کہ اس صورت میں بھی دلیل جاری ہو سکتی ہے کیونکہ گو علتیں فنا ہوتی جاتی ہیں لیکن
 ان کا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہیں اور جو چیز
 محال نہیں وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہیں، علتوں کا
 اجتماع گو محال بالذات نہیں، لیکن محال بالغیر ہو سکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے
 بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا

ان دلائل میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ان سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اُس کا
 فاعل با اختیار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علیہ لعل (کا زاف دی کا زری)
 کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ اُس سے معلول بہ ارادہ اور اختیار
 صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے
 خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکماء مذہب سے کہ خدا نے عالم کو
 بہ اختیار نہیں پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ ابو علی سینا بھی اُنھی کا ہنرمان ہے
 ان تمام تقریروں سے نکلے معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے

اور تکلیفیں بھی جو سمجھ انہی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے
اب دیکھو قرآن مجید نے اس عقیدہ کو کیوں کر حل کیا۔

وجود باری

پر

قرآن مجید کا طریقہ استدلال

خدا کا خیال
انسانی فطرت
میں داخل ہے

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے، علم الانسان
کے ماہروں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت میں تھا یعنی
علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود نہیں ہوا تھا اُس وقت اُس نے سب سے
پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (مٹریسٹ) کے سوا اور تمام تحقیق نے
فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب
میں لکھتا ہے ”ہمارے اسلام نے خدا کے آگے اُس وقت سر جھکا یا تھا جب وہ خدا
کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے“ جسمانی خدا (بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت
اصلی، مثالی صورت کے پر وہیں چھپ گئی

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ میں، خدا کا
اعتقاد موجود تھا، افریقی، مصری، گدالی، یہودی، اہل فلسفہ سب کے سب خدا کے قائل تھے
پلاٹارک کہتا ہے کہ اگر تم دنیا پر نظر ڈالو گے تو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے
جہاں نہ قلعے ہیں نہ سیاست نہ علم نہ صنعت نہ صرفہ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

نہیں مل سکتا، جہاں خدا ہے۔

فولیر جو فرانس کا مشہور قاضی اور جی والہام کا سنکر تھا کہتا ہے کہ دوزر و استر۔ منو
سولن۔ سرقاٹا ہسرو۔ سب کے سب، ایک سردار ایک نصف ایک باپ کی پرستش کرتے
تھے یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ نَبِيِّ اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فَكَفٰ اَبٰى سِتْمٰهُمْ فَا
اور جو دُن کو اُنھی پر گواہ کیا گیا کہ میں تمہارا خدا نہیں ہوں
سب بول اٹھے کہ ہاں، ہم گواہ ہیں

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لئے خدا نے
ہم پر ایسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

اِنِّیْ اللّٰهُ شَکُّکَ کَاٰخِرِ السَّعٰوٰتِ کَاٰخِرِ الْاَرْضِ
اور چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے
محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہیں ہوتی اس لئے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تجزی اور حسی مقدمات
کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا،

انسان کو آغاز تیرہ تین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے

۱۔ دیکھو مانیو یو تیر کی کتاب الفسفہ، ترجمہ عربی، بطور مدیروت، فرد، ایہہ نف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا
۲۔ محققین اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہی حسی بیان کئے ہیں کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے

کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔

کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب باقاعدہ اور منظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں بے ترتیب رکھی دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں اکٹھی ہو گئی ہوں گی، لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صنّاع بھی بے شکل سطح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی اسکو ایک اور درجہ مثال میں سمجھو۔ خواجہ حافظ نظامی کا کوئی شعر لو۔ اس کے الفاظ اٹ پٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو اگے پیچھے رکھ کر،

ترتیب دے، وہ سو سو طرح الٹ پٹ کرے گا لیکن اتفاقاً طور سے بھی کبھی یہ نہ ہو گا کہ حافظ اور نظامی کا شعر کل آئے مالا مال وہی الفاظ ہیں۔ وہی حروف ہیں، وہی شکل ہیں۔ صرف در اسی ترتیب کا پیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزون ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو، قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَعْنُ كُلُّ شَيْءٍ مَدُونٍ
فِي حَقِّهِ أَتَحْمِلُ مِنْ تَعَاوُتِ فَادْرَجِ

الْبَصَرُ كُلُّ تَرَى مِنْ فَضْلٍ
خَلَقَ كُلُّ شَيْءٍ فَقَدْ رَكَعًا يَدُ

لَا تَبْصُرُ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ
فَلَنْ تَجِدَ لِسِتْمَا اللَّهُ مَبْدُودًا

دیکھو کہ میں کوئی دواڑ دکھائی دیتی ہے
خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ معین کیا
خدا کی بناوٹ میں رد و بدل ممکن نہیں
خدا کے طریقہ میں تم رد و بدل نہیں پاسکتے

ان آیتوں میں عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کئے ہیں۔ کامل اور نئے نقص ہے
 موزون اور مرتب ہے۔ ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ یہ
 دلیل کا صغریٰ ہے۔ کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل۔ مرتب اور ستر نظام ہوگی، وہ خود
 بخود پیدا نہیں ہوگی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اس کو پیدا کیا ہوگا،
 آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑوں اسرار ناش
 ہو گئے ہیں، جبکہ حقائق اشیاء نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفہ اور
 حکما انتہا سے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت میں یہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن مجید نے
 تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا۔

آیزک نیوٹن کہتا ہے ”کائنات کے اجزائیں باوجود ہزاروں انقلابات زمان
 و مکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے
 جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے“

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے ”ان تمام اسرار سے جن کی
 یہ کیفیت ہے کہ بقدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں اُس قدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہیں،
 اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک انلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے
 تمام اشیاء صادر ہوتی ہیں“

کیل فلامریان کہتا ہے ”تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر ہوا“

لے فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے

مکیاے یورپ
 کی شہادت

اور یہ کیوں کر برا ہو چکا ہے، اسی بنا پر ان کو مجبور ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا
موت نہ ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے۔

پروفیسر لیونی LIONNE لکھتا ہے۔ "و خداے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب
کار گیر کیوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں
اور میں بالکل دیوانہ بن جاتا ہوں، ہر چیز میں گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اُنکی کس قدر عجیب
قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔"

فوشل۔ انسائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے

"دعالم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ
اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اٹھائیں اور اُسکے جلال
و عظمت پر فریفتہ ہو جائیں۔"



ملاحدہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہیں، ہمیشہ ہر زمانہ میں ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر، یا کم از کم متردد اور مشکوک تھا، سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑی ہے، خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہیں قائم ہو سکی ہے بلکہ ملاحدہ سابق و حال میں یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلائل زیادہ دقیق اور پر زور ہوتے تھے، ان کے مقابل میں ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہیں کہہ سکتے، ان کی تمام مباحث کا جھل یہ ہے کہ ”خدا کا کوئی ثبوت نہیں ملتا“، ”مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں“، ”خدا کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے“ یہ ظاہر ہے کہ کوئی استدلال نہیں، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے

مسلمان اسلام نے ملاحدہ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کئے ہیں مثلاً ابن خرم نے مل و کل میں، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کے جواب دئے ہیں۔ یہ اعتراضات نہایت ہی قوی اور پر زور ہیں آغصن کے لئے ہم ایک اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہیں،

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک واقعہ جو آج ہمیشہ آیا۔ اس کی علت قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور رازی ہو، کیونکہ

خدا کے وجود پر
ملاحدہ قدیم
کا اعتراض

حکمت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اس کے لئے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جا کر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئے گا کیونکہ علیہ سلسل جب قدیم ہے تو اس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اس کا معلول بھی قدیم ہوگا۔ دھکم پٹی اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ الی غیر انہما یہ چلا جاتا ہے تو خدا کھان باقی رہتا ہے

ملاحظہ سابق کے اور بہت سے قومی اعتراضات ہیں، لیکن ہم کو ان سونے ہوئے فتنوں کے جگانے کی ضرورت نہیں، یورپ کے ملاحظہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہیں اور جس کی بنا پر ہمارے ملک میں مذہب کی طرف سے میدلی پھلتی جاتی ہے، حکومت ان اعتراضات کا نقل کرنا اور ان کا جواب دینا کافی ہے

مادیہ

جن لوگوں کو خدا کہا جاتا ہے وہ مادیہ (مٹریسٹ) ہیں لیکن درحقیقت ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہیں کہ خدا نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ ان کا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہیں، پھر یہی طریقہ قول ہم اور نقل کر آئے ہیں کہ ”مادی مذہب اپنے آپ کو عقل اول کی محبت سے بالکل الگ رکھتا ہے، کیونکہ اس کو اس کے متعلق کسی قسم کا علم نہیں، ہم حکمت الہی کے منکر ہیں، نہ نبوت، ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ رہنا ہے

اسی گروہ میں سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کے اقرار و انکار کے

دو نون پہلووں میں سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ کو یہ طر
 کرنا چاہئے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار آتبات یا نفی کے اصول اولیہ کیا ہیں؟ فلسفہ حاکم
 نے تحقیقات علیہ کاسب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ”جب تک کسی شے کی
 وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہیں کرنا چاہئے“، کانٹ اور سکن نے اپنے
 فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی سلسلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے
 تمام ارکان متزلزل ہو کر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، روزمرہ کے تجربہ میں ہم
 اسی اصول کے بامین ہیں، فرض کر دو ایک شے ہے جسے نہ وجود کی شہادت ہو نہ عدم کی، تو
 ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہیں
 جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہیں بنیاد میں ممکن ہے کہ دنیا
 کے کسی حصہ میں ایسے آدمی موجود ہوں جن کے دوسرے ہوں، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہوں
 جو صورتہ آدمی ہوں، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہوں جن میں مچھلیوں کے بجائے آدمی رہتے ہوں،
 لیکن ہمارا خیال ان چیزوں کی نفی کا یقین رکھتے ہیں، کیوں؟ اسی لئے کہ ان کے وجود کی کوئی شہادت
 موجود نہیں، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، وعدم ثبوت، دونوں سے کسی پر اگر
 کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہیں ہے۔

یاد میں کہنا
 خدا کا حال نہیں

اس بنا پر ہر کو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف
 یہ دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں، ثبوت کے جس قدر
 دلائل ہیں سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہ ہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا لیکن

غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں، (یہ بحث بہ تفصیل اوپر گزری ہے) شاید یہ کہا جائے کہ غیر متناہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اس کے محال ہونے کی دلیل ہے، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہی غیر متناہی کی ایک دوسری صورت ہے، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہیں، کیا ایک سلسلہ غیر متناہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت میں یہ مقدمہ بڑے آب و تاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بدلتے دیکھتے ہیں کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے، اس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزوں کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہیں دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا مہل مادہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزوں کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتیں ہیں نہ کہ اصل مادہ، اس لئے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتوں کے پیدا ہونے کے لئے علت درکار ہے، اس سے زیادہ جو دعویٰ کیا جائے اس کی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ صرف تخیل ہے، اس بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ عالم کے لئے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہیں، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث، اور مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوا اس لئے اس کی علت بھی ثابت نہیں ہو سکتی

شاید یہ کہا جائے کہ گویا مادہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے

خالق نہیں ہو سکتا، اس لئے ان صورتوں کے لئے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہو سکتا۔
یہ استدلال بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتیں علی بنیل البدلیۃ پیدا ہوتی
اور فنا ہوتی رہتی ہیں، اس بنا پر ان کے لئے ایک قدیم علت نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں
حادث علیین درکار ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام
عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لئے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ عالم کا وجود
اور عالم کا نظام خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جاسکتا ہے
تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی، اس بنا پر عالم کا
مادہ قدیم ہے، حقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے،
فضائے غیر متناہی میں، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء پھیلے ہوئے تھے، ان اجزاء کو علمی
اصطلاح میں ویقراطیسی کہتے ہیں، یہ اجزاء ایس میں لے اور ترکیب پاکر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہو گیا۔
اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزاء خود بخود کیوں کر مل گئے؟ اور یہ گونا گون
مرکبات خود بخود کیوں کر پیدا ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت
اور قوت بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزاء نے ویقراطیسی کی فطری خاصیت ہی، جو اجسام
ہم کو ساکن نظر آتے ہیں، ان کے اجزاء نے ویقراطیسی بھی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں،
اور اگر ان کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دو متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بہر حال ماوہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اذرا وہ کبھی حرکت سے خالی نہیں ہو سکتا اس بنا پر
اجزائے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہیں۔

اب جو کچھ شبہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض محبت و اتفاق سے ایسی عجیب و غریب
مخلوقات جو سترپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہیں کیوں کر پیدا ہو سکتی ہیں؟ اسی سوال کو
منیب نے نہایت موثر الفاظ میں ادا کیا ہے، اور یہ بھیایا ہے کہ خدا کا جو اس سوال کا لافنی
نتیجہ ہے، راہبین کہتا ہے، اے آسمان! مجھ کو خبر دو، اسے دریاؤ! مجھ کو بتاؤ! اے
زمین! مجھ کو اب دے! اسے نے انتہا ستاروں کو بکون سالمات سے جس نے تم کو افق
میں تھام رکھا ہے؟ اور شب چارہ! کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا؟ تو کس قدر
پریشان ہے، کس قدر غمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع، جسے تجکو بغیر
کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ بنائے نور سے صرغ کیا ہے جس طرح
کہ آگ نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو اُبھارا ہے، اور خود رساں بھرا، اور گرگن
اور حیشہ روشن رہنے والا ستارہ اور آفتاب و زرخشاں! بیچ بتا تو کسکی اداس طاعت کے
لئے محیط کے پردہ سے باہر آتے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شمعیں عالم پر ڈالتے،
اے پر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو گھل جانا چاہتا ہے، کس نے
تجکو مجبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر گھر میں قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانہ سے نئے فائدہ
کھل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجود کار و رایک حد میں سے آگے ہرگز نہیں
بڑھ سکتا

ان سوالات کے جواب دینے کے لئے پہلے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ خود اہل مذہب کے کائنات کی خلقت، اور اُس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ میں اہل مذہب کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ عالم میں جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب و علل اور درسیانی و سائلط کوئی چیز نہیں، پانی جو برستا ہے، تو اس وجہ سے نہیں برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جا کر سردی کی وجہ سے پانی بخاتی ہے اور بادل بن کر برستی ہے، بلکہ بالذات پانی برساتا ہے

نامہ شیا کا باؤ
نہی باو اسط

دوسرے گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیا میں خواص اور تاثیر رکھی ہے، اور انھی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت میں بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خواصہ ہے کہ بخا کر وہ پانی بخاتی ہے، اب ان خاصیتوں کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہیں کرنی پڑتی بلکہ انھی خاصیتوں کی بنا پر اوقات معینہ میں خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے غلقت کے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے موافق، نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حقیقتیں اہل مذہب کا عمومی یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانوں میں اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقوں کی یہی رائے ہے۔

جب یہ علم ہو گیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہ جاتی ہے

کہ یہ قوانین حرکت خود بخود دہے ہیں، یا خدا اسے بنائے ہیں، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے
تو خدا کی مطلق ضرورت نہیں رہتی۔

قوانین قدرت
خود بخود ہیں

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے
کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب بعض اجزائے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ
حرکت میں تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے تب بھی یہ اجزا ہر وقت
نوجو و حرکت میں رہتے ہیں گو ہم کو نظر نہیں آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی
کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ قوانین قدرت کے لئے، ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم
کیا جائے، اجزائے دیمقراطیسی جب آئیں ہیں امتزاج پاتے ہیں، تو مختلف صوتیں پیدا
ہو جاتی ہیں، اور ہر صورت خود ایک ذائقہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ اور اثر خود اس
ترکیب اور امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتوں میں وہ خواص پیدا نہیں
کرتا، اس سبب کو یوں سمجھو کہ خود فلسفہ قدیم میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم
جمول نہیں مثلاً انسان کے مختلف انواع کے درخت پیدا کئے جن میں سے ہر نوع کا بہرہ نشین
پھول پھل، ہر رنگ مختلف ہوتا ہے لیکن یہ چیزیں خدا نے بالذات پیدا نہیں کیں بلکہ
صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزیں اس کے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سستہ آپ
پیدا ہو گئیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ الباقیین لکھتے ہیں

صور نوعیہ کا جویم ہو ناجب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہیں تو اب صرف بحث جہانی ہے کہ صور نوعیہ خود بخود پیدا ہو گئیں، یا خدا نے پیدا کیں، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے کہ صور نوعیہ، خدا نے پیدا کیں، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہو گئیں کیونکہ جب وہ قدیم اور انلی ہیں تو ان کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزائے دیمقرطسی قدیم ہیں، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کیں، باقی تمام مظاہر کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہیں جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے۔

رابرٹ انگریس سال جو امریکا کا مشہور محدث ہے، اپنی کتاب ”دعا کا خدا“ میں لکھتا ہے، ”فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہیں اور مادہ اور قوت، ازل سے موجود ہیں، اخیال کرو کہ دوزرہ باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہوگا، ہاں! فرض کرو اگر وہ مخالف ہوتو سے برابر قوت کے ساتھ آئیں تو دونوں رک جائیں گے اور یہی نتیجہ ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ اور قوت اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہیں جو نیچر سے برتر ہو، اگر فرض کرو کہ دوزرے اسطح ملین تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہوگا، ہاں! ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوگا۔ اور اسی کے معنی قانون اور ترتیب کے ہیں۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہیں جو نیچر سے بالاتر ہو۔“

شاء کیا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ مادہ اور اجزائے دیمقرطسی قدیم ہیں لیکن خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور پھر ان کے

امتناع اور احتمال سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے میں کوئی احتمال نہیں تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جو زمین دونوں احتمال برابر میں اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک ماننا آتا ہے

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہیں کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونوں احتمال کیساں ہی برابر تمام مدرکات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی سیارہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے جس قدر محسوسات سے بعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹا جاتا ہے اور اگر تکمیل کر نیکی بعد اس کی انتہا محسوسات تک نہیں پہنچتی، تو وہ محض وہی علم ہے کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیاء کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہیں، یا محسوسات سے ماخوذ ہیں، اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادہ اور حرکت کا بسدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے

عالم میں جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ سلسلہ بھی محسوسات میں داخل ہے کہ تمام دنیا ملکر کسی چیز کو نہ مطلق فنا کر سکتی، نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے اسلئے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات میں داخل ہے یہ بھی محسوسات میں داخل ہے کہ چند قوانین قدرت میں جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً کشش اجسام، سلسلہ ارتقا۔ انتخاب طبعی وغیرہ

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات میں ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے اس قدر نے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہیں،

مادہ کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہیں

اور چونکہ حرکت اور قوت خود مادہ کے لوازم طبعی ہیں اس لئے وہ بھی حادث نہیں، اور جب مادہ قوت حرکت قدیم ہیں، اور کائنات کے تمام انواع، انھی چیزوں کا نتیجہ ہیں تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جاسکتا ہے؟ پروفیسر لیریہ کہتا ہے کہ جن اسباب کائنات کو پیدا کیا ہے، بظاہر وہ خود کائنات میں موجود ہیں، اور ان سے الگ نہیں اور انھی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہیں ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ قوانین فطرت اور خدا، ان دونوں میں سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہو۔

یہ ان ملامدہ کے خیالات ہیں جن کا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ملتی اور اگر صرف احتمال سے کام لیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی ہے، لیکن ملامدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود بسطرح بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے معنی اگر صرف علیہ لعل کے ہیں تو ہم کو کچھ بحث نہیں لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق حکیم صاحب ارادہ عادل اور رحیم بھی ہے تو اس کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے۔

مگر بیچ کے
دلائل

(۱) دارون کے مسئلہ ارتقاء نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے ہوئے موجودہ حالت پر پہنچی ہے، خود انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے نہایت ادنیٰ درجہ کا جانور تھا ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دو ذین کی حد

آدمی بن گیا، اس بنا پر کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا قادر مطلق اور بیکم ہر
راہرٹ انگر سال اپنی کتاب میں جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے

”فرض کرو ایک بغیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا طے جس کے پاس ایک نہایت
سمجھہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھوں برس کی
محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے میں پچاس پچاس ہزار برس
صرف ہوئے، تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ وہ شخص ابتدائی سے فن ہجرت لیس میں رہتا
دو مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ خالق میں بھی ترقی ہوئی ہے، کیا ایک
نیک ماقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اس طرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت
ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی سادہ حالت میں پیدا کرتا۔ پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد
آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بنانا اس طرح سالہائے ہشتار ان شکلوں اور ہیئتوں کے
بنا نے میں صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا۔“

(۲) دنیا میں نہایت کثرت سے جو فظلم، خونریزی اور قتل، مصیبت اور بے پایا
جاتا ہے، اس لئے کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے انگریز
کہتا ہے کہ ”دنیا کی سطح کو ایسی خوفناک اور نفرت انگیز جانوروں سے بھرنا جو ایک دوسرے
کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، کیا اس میں بصیرت اور عقل مندی کی سلاط
پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کر سکتا ہے جب کہ ہر
جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہاں تک کہ ہر مومنہ ایک بیخ اور ہر بیٹ ایک قبرستان

اس عالم اور دائمی خونریزی میں غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے۔
 دو سالہا سال کی تاریکی میں جو تکلیفیں یہی نوع انسان کو پہنچیں وہ قیاس نہیں کی
 جاسکتیں، زیادہ تر حصہ اس تکلیف کا کمزور نیک اور معصوم لوگوں نے برداشت کیا مگر
 زہریلے درندوں کی طرح سلوک کیا گیا، معصوم بچے، حشرات الارض کی طرح پانوں سے
 کچلے گئے، قوم کی قوم پر صدیوں غلامی، کفتوی رہا اور تمام عالم میں وہ ستم برپا رہا جسکو
 زبان قلم اور انہیں کر سکتی۔

اگر کوئی کہے کہ آئندہ دنیا میں ان صیبت زدوں کو تکلیف کا بدلہ مل جائیگا تب بھی
 اس اعتراض کا جواب نہیں ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک
 کامل عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آئندہ بہتر سلوک کرے گا،
 کیا خدا میں زیادہ قوت آجائے گی، کیا وہ زیادہ رحم ہو جائیگا، کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق
 کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائے گی۔

(۳) یہ ادب ظاہر ہے کہ سیکڑوں آدمی خلقِ شہایت، بیہرحم سخت دل، بدکار اور
 مائل بہ شہوات، ہوتے ہیں، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ بُرے ہی آدمیوں کا ہے، اس صورت
 میں کیوں کر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا،
 قیامت کی فراوانی اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے
 پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی، پیدا کرنا اور پھر انکو قیامت میں سزا دینا اس سے
 کیا فائدہ، اگر خدا کا درِ طلاق ہے تو اسکو دنیا میں صرف نیکی، راست بازی، انوکھ کاری

پیدا کر لی جاتا ہے مٹی۔ فریب جھوٹ دینق۔ مجور حسد نبض۔ دشمنی۔ انتقام بھجی کے
وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور
عزت خدائیں ہے، بلکہ صرف لاف نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم
ہے اور بغیر کسی غرض اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے

ایک شہور ملحد کہتا ہے کہ جہاں تک ہم تمیز کر سکتے ہیں ہر کو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا
محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہی نہ خوشی،
نہ ہر وقت، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اس کے نزدیک یکساں ہیں
نہ وہ رجم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہے، نہ آنسو گرانے سے متاثر ہے

ملاحظہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم، اجزائے دیمقراطیسی سے بنا ہے۔ ہر کو یہ بھی تسلیم ہے
کہ عالم، قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ مستزلاہ اور حکماء اسلام نے
فارابی۔ ابن سینا اور ابن رشد کی رائے ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے فیض المقال میں
لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتوں سے ان التسمیٰ احیاء الہیہ کائنات کدھقا
وکان عرشہ علی الماء فہر اسقٰی الی السمکاء ورجیٰ عرشہ علی
تبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ کے اجزائے متحرک ہیں، حرکت۔ مادہ کی ذات
میں ہے، مختلف قوانین قدرت میں جن کے موافق، اجزائے ہم ملتے ہیں، ترکیب پاتی ہیں
اور پھر انہیں خاص خاص قویٰ اور خواص پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن کائنات کا عقدہ ان باتوں سے

ملاحظہ کے
اعتراض کا
رد

بھی حل نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

اس میں شبہ نہیں کہ عالم کا تمام نظام قوانین قدرت، یا آلاتِ خیرِ قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہیں بلکہ سب

ایک دوسرے کے موافق، تناسب اور معین ہیں ان میں باہم اس قدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے میں کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہیں۔ ایک

لمرورے کمزور گھاس اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک، ہوا، پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب، مہتاب، وغیرہ کے افعال، اور خواص، اُسکے پیدا کرنے میں،

شارکت اور توفیق کو عمل میں لائیں، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم میں سیکڑوں اعضا، جوارح، اور اعصاب ہیں، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہیں اور

ہر ایک کام جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہیں دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل میں شریک نہ ہوں، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام

میں خلل انداز نہ ہوں، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوی مستقل حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انسان میں کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتوں

بالا تر ہے، اور جس کی ماتحتی میں یہ سب باتفاق کام کرتے ہیں، اس عام قوت کو نفس۔ روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم میں سیکڑوں ہزاروں قوانین قدرت ہیں، لیکن اگر ان میں سے ایک بھی باہمی توفیق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

تمام قوتیں قدرت
باہم موافق اور
معاون ہیں

برہم ہو جانے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں، باہر توافقی تناسب، ربط، اور اتحاد پیدا کیا ہے میٹریٹ یہ کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی حرکت نے استزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہیں بتا سکتا کہ ان سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں قوانین قدرت میں یہ توافقی تناسب، اور اتحاد کہاں سے آیا، توافقی اور اتحاد پیدا ہونا خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہو گا جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہیں قرآن مجید کی اس آیت کے **وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَ أَيْدِيهِمْ وَلَا يُحِيطُ بِشَيْءٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ** اور اس آیت میں جو کچھ جو ہے بلکہ کہتا ہیں بجز نبی یورپ کے بڑے بڑے علما اور فلاسفہ نے کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے

ملین اڈورڈ **MILNE EDWARD** کہتا ہے "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسی لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق کے نتائج ہیں، یا دوسری عبارت میں یون کہنا چاہتے ہیں کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم الحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اس پر اعتقاد نہیں لاسکتا ۛ

ہر برٹ اسپنسر کہتا ہے ”یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور بنا پر تاس ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء جو دین آتی ہیں“

پروفیسر لینے کہتا ہے ”وہ خدا کے کبر و باری ہے، جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں بہوت اور مہوش ہو جاتا ہوں“

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کئے جاتے ہیں، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو تیار کیوں پیدا کرتا، اس قدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہیں۔

ایک قطرہ کا رحم بین پڑنا پرورش پانا، گوشت پوست پڑھنا مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر مسمیٰ کے منظر پر آنا، زیادہ اعجب یہ، زنا اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنانا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا میں نیکی کے ساتھ برائی کیوں ہے؟
بوعلی سینا نے شفا میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتیں فرض کی جاسکتی ہیں۔

محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ محض برائی ہوتی۔ زیادہ بھلائی ہوتی اور کم تقدیر

لے ہر برٹ اسپنسر اور پروفیسر لینے کے یہ اقوال پہلے ہی نقل کر چکے ہیں

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یتیموں پیش ہیں تو کیا کرنا چاہیے، پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے دوسری صورت بھی قابل بحث نہیں کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے۔ اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہیں کی جس میں برائیاں ہی برائیاں ہوں صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے یا نہیں جس میں بھلائیوں زیادہ اور برائیاں کم ہوں، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیاں عالم وجود میں نہ آتیں لیکن اسکے ساتھ بہت سے بھلائیوں کا بھی وجود نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیوں کے لئے دنیا ہزاروں بھلائیوں سے محروم رہ جاتی۔

ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا میں جو برائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہیں بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، عقدہ بری چیز جو لیکن اُس حائے کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیار کرے، یہ حائے نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ میں اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے، فتنہ و مجرمین چیریں ہیں لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہیں جس پر انسان کا بقا و نمو ہے اگر گمراہوں کو جلا دیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے،

اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کی جاتی تھی اچھائی ہی اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہاں ممکن ہی نہ تھا کوئی ایسی آگ

نہیں پیدا کی جاسکتی کہ اس سے کھانا پکانا پائیں تو پیک جائے نیکر اگر مسجد کو بنا دیا جائے تو بظاہر
باقی یہ اعتراض کہ دنیا میں اکثر اچھے آدمی تکلیف اٹھاتے ہیں اور برے آدمی
عیش و عشرت سے بسر کرتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیات فانی
مک ختم نہیں ہو جاتی اس لئے یہ کیوں کر فیصلہ کیا جاسکتا کہ ہم جن کو عیش و عشرت میں بسر کرتا
ہو ادیکھ رہے ہیں یہ اگلی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت
چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیوں کر رائے دے سکتے ہیں،
آگے چلکر ہم ثابت کریں گے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہیں جو کسی طرح اُن سے
جدا نہیں ہو سکتے جس طرح منازہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی۔ پینے کا لازمی نتیجہ ہے۔
اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ بہت سے لوگ اچھے یا برے کام کرتے ہیں، اور اُن کے
نتیجے اُن کو پیش نہیں آتے

نظام عالم میں ہم کو جو برائیاں ابریاں اور نقائص نظر آتے ہیں کون کہہ سکتا ہے
کہ واقعی نقائص ہیں؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہیں کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری
آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ ایسی حالت میں صرف اتنی بات پر خدا کے کمال و
عزت و جلال کا کیوں کر انکار کیا جاسکتا ہے؟ دَمَا اَوْ تَتَّبِعُونَ (اَحْكُمُوا وَاصْطَبُوا)

توحید

ذات باری کا اجلی اعتراف، تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے
اس مسئلہ پر چندان زور نہیں دیا اسلام کے مختصات میں جو چیز ہے وہ توحید ہے کیونکہ

دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید حق ہی نہیں یا حق تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہیں، کفار کو جو وحشت ہے وہ توحید سے ہے،

اَدَاٰحِیَ اللّٰہُ وَحَدَّ کَفَرُوْا وَاِنْ یُشْرَکُّ بِہِمْ فِیْ سَبَیْۃٍ اَوْ اَدُوٍّ اَوْ اٰوِلَادٍ اَسْمَلَتْ قُلُوْبُہِمْ لِّہِۚ

لیا جاتا ہے تو مسکین قیامت کا دل بک جاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہر وہ کثیر الاجزاء یا کثیر الافراد ہے لیکن سب ملکر ایک ہے یعنی اُس کُل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اُسکو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں کا موجد اور اُنکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح ادا کیا ہے،

اگر آسمان اور زمین میں کبھی خدا ہوتے تو نظام عالم کرب و بلاء
 منطقی پیرامین اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہئے
 ۱۔ عالم میں گونا گونا گوں ہزاروں لاکھوں اشیاء نظر آتی ہیں لیکن عالم ایک شے واحد

۲۔ ایک چیز کی دو علت نامہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ علت نامہ کے یہی ہیں کہ اُس کے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود میں آجائے۔ اس کے اگر ایک معلول

دو علت تامہ ہوں تو ایک بالکل بیکار ہوگی

۳۔ خدا عالم کی علت ہے

اب استدلال کے مقدمات یہ ہیں۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے عالم کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتی۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتی، اس لئے خدا متعدد نہیں ہو سکتا۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبوں میں پائی جاتی ہے جن قوموں کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی فناء و مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہیں، البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہیں جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے عیسائی تین خدا مانتے ہیں لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں۔ یہ تفریق تیزی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق تعدد بالکلیہ بھی گوارا نہیں۔ اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہیں اسلام کو اس بات میں جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے توحید کو کامل یعنی شرک کے ہر قسم کے شائبوں سے پاک کر دیا۔ اور یہ پہلے ان تجلیوں کے ہے جن کی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہیں، توحید کمال کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شرک نہیں ہے اس طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شرک نہیں پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا۔ ووردنیو سے یگانہ تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کیساتھ مخصوص ہیں، اسلام کے سوا اور مذہب والے ادوار و ناپید و غیرہ میں بھی ایسا وصف مانتے تھے اور مانتے ہیں اور یہی

توحید پر
استدلال

توحید کا لفظ ہے، اگرچہ انہیں سب کلمہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پروردہ رہے کہ ان اوصاف کو اور وہ میں بھی ماننے لگے ہیں۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لئے توحید فی اللہ کے ساتھ توحید فی الصلوات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہاں تک کہ سجدہ تعلیمی جو تمام دوسرے مذاہب میں، خدا کے سوا اور وہ کے لئے بھی جائز تھا اسلام نے اس کو بھی حرام کر دیا،

توحید فی الصلوات
و فی العبادت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتقاد کا دلچسپ جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر انہیں ہو سکتا۔ اطاعت، انقیاد و خشوع، استقلال، توکل، انحصار کی حالت اس وقت دلچسپی ہو سکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں، تمام ضرورتوں، تمام امیدوں، تمام اغراض، تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے انسان ہیں، استقلال، آزادی، دلیری بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے، جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت رکھتا ہے، اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جائیگا، یہ تیار رہتا ہے

نبوت

نبوت کی کیا حقیقت ہے؟ اس کے کیا شرائط ہیں؟ مبنی اور غیر مبنی میں مداخل کیا ہے، ان سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقوں کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوت خدا کا علیکالہوا ایک منصب ہے، خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لئے مجروحہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فضل اور تمیز ہے، اس جواب کی ابتداء انشاء ظاہر میں سے پہلی در رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقوں میں ہی اعتقاد پھیل گیا

خدا کی رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ میں تو علی اور اصطلاحی حیثیت سے اس سلسلہ پر

بحث پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی لیکن دولت عباسیہ کے ابتدائی میں جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ میں قدم رکھا تو یہ بحث زور و شور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکتا ہے پہلے اس مسئلہ پر جا خط نے قلم اٹھایا اور ایک متنقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ میں جا خط کا جو پایہ ہے اس کے لحاظ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُسے کیا کچھ لکھا ہوگا؛ لیکن قدامی تمام تصنیفات اس طرح برباد ہو چکی ہیں کہ آج اُس خس کا ایک دانہ بھی موجود نہیں، تیار الحق میں جو نوین صدی کے ایک تہذیبی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر میں چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح سواقف میں نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہیں ان میں سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہے کہ یہ جا خط کا مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اسکی تحسین کی ہے ۷

اشاعہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دنیا میں پھیل گیا ہے لیکن عجیب بات یہ کہ آج اس پر جو اعتراضات کئے جا رہے ہیں، ان میں سے کہیں زیادہ خود اشاعہ ہی کے زمانہ میں کئے جا چکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی، ابن رشد، راعب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اساطین کلام نے اشاعہ کے نقش قدم کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی، لیکن اشاعہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اس قدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُن کے موافق کہا وہ آج ایک ایکن پچ کے دل میں، اور زبان پر ہی، اور جو کچھ انکی خاص رائیں تھیں، وہ اس شور و ہنگامہ میں لوگوں کو سنائی بھی نہ دین، مجبوراً ان بزرگوں نے بیڑے الگ ہو کر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص جمع سے مخاطب ہو کر کہا

نبوت کی شریعت
سے پہلے
جا خط نے کی

خدا کا شکر ہے کہ اُن کی رازدارانہ گفتگوئیں، کو بھیلین نہیں، لیکن بالکل ناپید بھی نہیں ہوئیں، بہن! اس بحث کو نہایت استیعاب کے ساتھ لکھوں گا جس سے امور ذیل مقصود ہیں
(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمہ فن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہیں؟

(۲) نبوت پر جو اعتراضات کئے جا رہے ہیں، انہیں بہن! بلکہ مسخ شے زاید پہلے کئے جا چکے ہیں

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہیں محققین کا مذہب ان جملوں کی زد سے محفوظ ہے

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زیر درس کتابیں عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہیں، محققین اور ائمہ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے اُن میں مذکور نہیں، یا ہیں تو اُن کو ایسے کمزور پیرامین ادا کیا ہے کہ اُن پر توجہ تک مائل نہیں ہو سکتی۔

اب ہم اصل بحث کی طرف توجہ ہوتے ہیں

خرق عادت کے مسئلہ کی بنا پر

نبوت پر اعتراض

نبوت کی تعریف جیسا کہ مواقف میں ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اُسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے

اشاعرہ، نزدیک
نبوت کی صفت

مَنْ قَالَ لَكَ اللَّهُ أَدَّ سَلْتَكَ أَوْ كَلَعَهُمْ
عَمِّي دَعَوِي لَا مِنْ الْأَلْفَاظِ وَلَا
يَسْتَرْطِفُ فِيهِ شَرْطٌ وَلَا اسْتِعْدَادٌ
بَلِ اللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ

پیغمبر وہ جو جس سے خدا نے یہ کہا ہو کہ میں نے تجھ کو بھیجا یا تو تو گون کو
میرے لفظ سے پیغام پہنچا، یا اس قسم کے اور الفاظ، اور پیغمبر ہو گئے
نے کوئی شرط نہیں نہ یہ شرط ہو کہ میں کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ
خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندوں میں جو جس کو چاہتا ہے
خاص کر لیتا ہے

مِنْ عِبَادِ ۴

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اسکی بنا پر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ
عام لوگوں کو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلان شخص سے خدا نے باتیں کیں اور اس سے
یہ یہ کہا، اس بنا پر اشاعرہ نے نبوت کے شناخت کے لئے معجزہ کو دلیل قرار دیا یعنی جس سے
معجزہ صادر ہو، اُسکی نسبت یقین کیا جائے گا کہ خدا نے اس سے خطاب کیا، اس بنا پر
امور ذیل تیغ طلب ہیں۔

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہیں؟

کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف اشاعرہ نے یہی کی ہے کہ جسکے ظاہر کرنے سے نبوت کی تصدیق

مقصود ہو اور اُسکے لئے سات شرطیں قرار دی ہیں۔

خدا کا فعل ہو۔ خارج عادت ہو۔ اس کا معارضہ ناممکن ہو۔ مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ دعویٰ

کے موافق ہو۔ نبی کا کذب نہ ہو، دعویٰ پر مقدم نہ ہو

ان شرطوں میں سے دو شرطیں قابل بحث ہیں

یہ شرط کہ خارق عادت ہو، اس سے کیا مراد کیا ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلہ اسباب اور اصول فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انسان کو جب قدر علوم حاصل ہوتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں، بدیہیات و نظریات، بدیہیات وہ امور ہیں جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہیں، یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ اُنکا یقین حاصل ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے آگ جلاتی ہے کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو متناقض ایک جاتے نہیں ہو سکتے۔ نظریات وہ امور ہیں جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود دیہی نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ انکی اتمہا، بدیہیات تک ہو۔

بدیہیات کے بہت سے اقسام ہیں۔ نظام قدرت میں جو چیزیں ہمیشہ ایک طرح پر وقوع میں آتی رہتی ہیں اُنکے استقرا سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدیہیات کی ایک قسم ہے۔ انھی بدیہیات میں سے یہ بھی ہے کہ عالم میں علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے، یعنی جو چیز وجود میں آتی ہے اُسکے علل اور اسباب ہوتے ہیں، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہیں تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع میں آئے، تو معجزہ بدیہات باطل ہوگا، کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بدیہاتہً حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بدیہات کے خلاف ہے

امام رازی نے مطالب عالیہ میں جہاں اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہیں کہ
 ”کہ علم کی دو قسمیں ہیں بدیہی و نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی نظری
 ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اس کے نتیجے میں ہونے کے فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ
 محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات میں خلل انداز نہیں ہو سکتے،“

”اب ہم جب غور کرتے ہیں کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو
 خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس میں وہ کسی طرح شک نہیں کر سکتا وہی بدیہی ہے۔“

”جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمارے
 قطعی یقین ہوتا ہے کہ شخص پہلے رحم میں تھا۔ پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر
 کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں بلکہ وہ دفعہ پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لیں گے کہ شخص
 غلط کہہ رہا ہے اور اس کا قول باطل و افسوس ہے

”اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعویٰ ایک لغو بات ہے، اور جب یہ کیلید
 ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالوں کے ذریعہ سے اسکو سمجھاتے ہیں۔“

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشموں کا پانی، آب زہ نجاسے
 یا پہاڑ زرخا ص ہو جائے تو ہر شخص اسکو بخوبی سمجھ لے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر میں جو پتھر ڈیا ہے وہ حکیم نجاسے
 اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر میں جتنے کپڑے ہیں عالم و فاضل

لے یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

انسان بن جائیں ممکن ہے کہ جب میں گھر کو واپس جاؤں تو میرا لگا باطلیوس ہو چکا ہو گا اور
محبسٹی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر میں جو کپڑے کپڑے تھے وہ آدمی بن کر ہمارے منطق والہا
میں۔ باعثہ کر رہے ہوں، تو ہر شخص ایسے آدمی کو اتھاڑ جہ کا بخون کہے گا
(۳) اگر کوئی شخص گھڑت میدان کو دیکھ کر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی ہمارا درسا
تعمیر کے یہاں عالیشان ایوان اور محل بن جائیں، اور نہر بن جاری ہو جائیں تو ہر شخص
ایسے آدمی کو بخون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداهت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جس قدر حوادث
ہیں وہ نظام مقررہ اور عادت سترہ کے موافق وقوع میں آتے ہیں اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ
ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو، بدیہیات میں قدر کرنا ہے،

بہر حال فرق عادت کو بحجہ کہنا، خود بحجہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بنا پر
بعض اکابر اشاعرہ نے فرق عادت کی قید بحجہ کی تعریف سے خارج کر دی شیخ سواتین جو
والمعجزۃ عندنا ما یفصد بہ تصدیق اور بحجہ کی تعریف ہمارے نزدیک ہے کہ اس جو معجزی
سواء فی الرسالۃ وان لم یکنی حادۃ قال العادۃ نبوت کی تصدیق مقصود ہوا گو وہ فرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ فرق عادت ممکن ہے اور بحجہ فرق عادت کا نام ہے یعنی یہ کہ ایک چیز
اسباب و علت کے وجود میں آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے مطلق نہ پایا جائے
مثلاً کسی ہنر مند کو لگے نہیں جلا باقا کے یہ معنی ہیں کہ جلاسنے کی علت، یعنی لگ ہو جلا

لے یہاں تک علم ہدائی کی صلی جارت لافنی برہ تھا۔

اور وہ جلانہ کی۔ یا مثلاً کسی خمیر نے پتھر پر عصا مارا اور چپٹہ جاری ہو گیا، تو اُس کے پیمنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہو گیا،

اس صورت میں یہ ہمیشہ پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہیں، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن میں حلول کر سکتے ہیں، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہو سکتے ہیں جو خود اجنہ اور شیاطین سے صادر ہو سکتے ہیں، اب فرض کرو کہ ایک مدعی نبوت، کسی خرق عادات کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ درپردہ کسی جن کا مغل نہیں ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہو سکتے ہیں یہاں تک کہ آدمی گدھا، اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت میں کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خرق عادات مجرہ ہے سحر نہیں، شرح موافق میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہیں ہوتے۔ جادو گر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دے گا۔

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چپے چل سکتے ہیں، عبادات میں حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان فرق عادات نہیں ہیں، اُس کے علاوہ انبیاء کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہیں ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر فرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہیں بیان کیجاسکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان فرق عادات سرزد ہو سکتے ہیں، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی صحت میں ایسی کمی یہ قدرت جاتی ہوگی، عبدالمذہب، المقتنع اور زردشت نے بڑے بڑے فرق عادات دکھائے اور نبوت کا دعویٰ کیا ان امور کے علاوہ، شجرہ حیات، نیرنگیات، اور سیرزم وغیرہ سے نہایت عجیب و غریب امور سرزد ہوتے ہیں، اس لئے یہ کیوں کر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو حجرہ کہا جاتا اس میں، ان چیزوں کا شائبہ نہ تھا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کر سکے تو یہ پیشین گوئی کیونکر کی جاسکتی ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہو سیکے گا حضرت حویٰ کے زمانہ میں انہی نے معجزہ کا جواب نہ ہو سکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہو سیکے گا۔

ان سب امور کو ان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہی، کہ معجزہ صرف ان لوگوں پر حجت ہو سکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آئندہ نسلوں کو اُس کا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتوں کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے، روایت میں سب سے بڑا درجہ تو اتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوئی ہے اُس کو یقینی کہا جاتا ہے، لیکن کیا تمام متواتر یقینی بین بہود و بہ تو اتر بیان کرتے ہیں کہ تو اتر میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی، یہود اور نصاریٰ و دونوں تفق اللفظ ہیں اور بہ تو اتر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، یہاں یہی زردشت کے کتبہات کو بہ تو اتر بیان کرتے ہیں انھیں ہر فرقہ اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تو اتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو جو یقینی سمجھتے ہیں، شاید یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کیلئے اسلام شرط ہے، جسکے یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانوں کا تو اتر مفید یقین ہے، لیکن اس ایک طرفہ فیصلہ کو مخالف کیونکر تسلیم کر سکتا ہے

یہ تمام بحثیں تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھیں، اب فرض کر دیکھو کہ ممکن بھی ہے۔ واقعہ بھی ہوتا ہے۔ تو اتر سے اسکا ثبوت بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ مدللہ اب بھی باقی ہے کہ اس ثبوت پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں

ہندسہ دان ہوں، اور اُنکی دلیل پیش کرتا ہے کہ میں میں دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہوں، تو گو وہ میں دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اُس سے اس کا ہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اُنکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعویٰ کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعترض کی یہ تقریر امام سازی کی تقریر کے مطابق تھی لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اُنکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

مہجرہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہیں ۱۔
 حقیقی سے مہجرہ صادر ہوتا ہے جس سے مہجرہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہوگا۔
 ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہوگا۔
 (۱) مہجرہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) نبی نبوت سے مہجرہ صادر ہوا۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے مہجرہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہوگا۔

سب سے پہلے متعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور میں فصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت میں مہجرہ داخل نہیں ہے، بلکہ جو لوگ مہجرہ کے قائل ہیں وہ بھی مہجرہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہیں ہوتی۔ پیغمبری کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا پیغمبر ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود دینی خدا اپنے احکام کے پیغمبر کے لئے لوگوں کو بھیجا ہی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سے رسالت ہی کا منکر ہے اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس ہی معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ شاہ اگر کوئی بادشاہ اپنا تخت کسی شخص کے پاس بھیجے اور اس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیاں ہوں تو قطعاً بتھوے ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہے اس طرح معجزہ خدا کی نشانی ہے، اس لئے جس کے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہو کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلاں چیز فلاں شخص کی نشانی ہے، اس کا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب تک کسی قاصد کو بھیجنے کا تو اس کے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اس کے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ فلاں شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس نئی ممکن نہیں کہ پیغمبر ہی خود معجوت فیہی، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیاء و ستارین کیلئے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اس کا معجزہ لوگوں پر کبریا ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ مجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔ اس پہلو سے قطع نظر کہ نبوت پر جو عام اعتراضات کئے گئے ہیں وہ آگے آتے ہیں

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاویہ کی تعلیم ہے لیکن ان امور کے لئے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہاں سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں، بہت سے حکماء جن پر نہ وحی آئی تھی، نہ انکو الہام ہوا تھا ان مسائل کو اس خوبی کو بیان کیا ہے کہ انبیاء اُس سے زیادہ نہ کر سکے، اسلئے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہو۔

(۲) انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہوا کرتی ہیں یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو

منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہات امور اور مقاصد اصلیت تھے یا فرعی اور نابدیات ہیں۔ پہلا احتمال تو ممکن نہیں، کیونکہ مہات امور تمام مذاہب میں مشترک ہیں اور ان کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہے، اسلئے صرف دوسرا احتمال ہی ممکن جب کوئی پیغمبر جوت ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروائی پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہیں کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھہراتا ہے، یہاں تک کہ لڑائیاں برپا ہوتی ہیں اور نہایت سخت خونریزیوں تک نوبت پہنچتی ہے اس بنا پر کیوں کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جوت من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتوں کے لئے اس قسم کے شقاق اور بی رحمیوں کو جائز رکھے گا؟

مثلاً نماز کا اصلی مقصد صرف تضرع اور شوق الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیوں،

یہودیوں، پارسیوں، غرض تمام مذاہب کے طریقہ نماز سے حاصل ہو سکتا ہی کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقوں کو غلط قرار دینا اور اس کی نیا پر قتل و خون کو جائز رکھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہی وہ سب میں مشترک ہے اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہیں۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے احتراز ہے جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو لیکن انبیاء و انبیاؑ کے ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جبر و ایمان قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود وجود اور اعمال حسنہ کے ناجی نہ ہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا میں جب قدر مذاہب موجود ہیں سب میں قابل اعتراض باتیں پائی جاتی ہیں، یہود خدا کو مجسم مانتے ہیں اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہیں جو معمولی آدمیوں میں پائے جاتے ہیں، عیسائی خدا کی اُلوٹ، اور صلوات و اتحا کے قائل ہیں، پارسیوں کے ہاں دو خدا ہیں، قرآن مجید میں جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے تناقض اور متعارض آیتیں ہیں۔

تبیینِ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ میں ان الفاظ سے ادا کیا ہے،
 إِنَّ الْقُرْآنَ مَمْلُوءٌ مِنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَأَلَا يَأْتِيكَ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ فِيهَا الْكَرْهَ عَدَا الْإِزَالَ وَكَهْ
 وَلَا تَكُنْتَ كَمَا مَنَّاهُ وَإِنَّ الشَّقِيَّ بَيْنَهُمَا يَحْصُلُ الْأَمْرُ بِعُسْفَانٍ وَكَهْ يَدُلُّ
 عَلَى أَنَّ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ كَانَ مُصْطَلِبًا لَدَى فِي الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ رِغْبَةً جَانِبًا بِأَحَدِ الطَّرَاقِ

انحرک فقر نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی
جرات نہ کر سکے، اسکے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے
نہایت نئے تصبی کے ساتھ مقرر ضون کے ہر قسم کے اعتراض کو سنا اور انکو اپنی تصنیفات
میں درج کر کے اُن کے جواب دے بخلاف اسکے آج ہمارے علمایہ یقین کرتے ہیں
کہ دشمن کو آتا دیکھ کر آپنی آنکھیں بند کر لینی چاہیں

نبوت اور خرق عادت

کی

اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالبات لیبینہ
اور تفصیلی، قاضی عضد نے موافقین دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہیں جو اعتراضات
اور زیادہ قوی کر دیتے ہیں، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ میں ہم نے اُن کا ذکر بھی کیا ہے
اسلئے یہاں اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہیں۔

اب ہم ان سباحت کو ائمہ فن کی رائے کے موافق لکھتے ہیں جس کو معترضین کے
اعتراضات خود بخود دفع ہو جائیں گے اور ان مسائل کی اہلی حقیقت ظاہر ہو جائے گی

یہ بحث درحقیقت مسائل ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) کیا فرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے۔

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت میں داخل ہے

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس قدر حقائق اشیاء سے نا آشنا ہوتا ہے اُسی نسبت علل و اسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، ایک دھقان کا بچہ برسات کے زمانہ میں جب بادلوں کو آتا دیکھتا ہو تو کہتا ہے کہ در اللہ میاں آئے یعنی بادلوں کا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہے تو کہتا ہے کہ در اللہ میاں کے حکم سے پانی برسا، اب اُس نے خدا میں اور پانی میں بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد پیمائش پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، ٹیٹھ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا میں کوئی درمیانی علت نہیں ہے، خدا حکم دیتا ہے بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں اور برستے ہیں۔ بایہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے وہاں سے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بن جاتا ہے چنانچہ قدماے مفسرین اسی بات کے قائل تھے امام رازی نے اَنَّا نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر میں اُن کے اقوال نقل کئے ہیں لیکن صاحب نظر و راگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر سے بخارات اُٹھتی ہیں وہ اوپر جا کر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بن جاتے ہیں، غرض جبکہ حقیقت طلبی اور غور رسی برپا ہوتی ہے، علل و اسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ علم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت و معلول سبب و مسبب اثر و متاثر و مفعول و فاعل سبب و مسبب اثر کا سلسلہ ہے۔

کیا غرض عادت
محکم ہے

غرض عادت کا
خالص ناسخ
کیونکر پیدا ہو سکتا

اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت۔ ستہ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتوں میں
اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کَلَّا تَبَدَّلَ لَكُمْ لَحْنًا لَّيْسَ اللَّهُ
خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں
کَلَّا تَبَدَّلَ لَكُمْ لَحْنًا لَّيْسَ اللَّهُ
خدا کی عادت میں تغیر نہیں۔ اور ہم خدا کی عادت میں
تبدیلی نہ پاو گے

اسلامی فرقوں میں سے صرف اشاعہ، اس سلسلہ کے منکرین، اُن کے نزدیک
کوئی شے کسی کی علت نہیں نہ اثبات میں خواص و قیاسیہ سے بچنا چاہیہ تمیہ نے اپنی کتاب الرد
علی الملحقین جہاں اشاعہ کے وہ مسائل گناے ہیں جن میں وہ متفق ہیں اُن میں اس سلسلہ
کو بھی شمار کیا ہے۔

اشاعہ کے سوا، باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا اس سلسلہ کی مغفرت ہے اس کا نتیجہ
ہونا چاہیہ تھا کہ فرقہ عادت کے غیر ممکن ہوئے نیز بجز اشاعہ کے اور ب کا اتفاق ہوتا
لیکن بائینہم بظاہر اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر، سورہ اعراف، حضرت موسیٰ کے
عصا کے جڑ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

وَعَلَّمَهُمْ قَوْلَهُ الْقَوْلُ بَشَرًا لِّئَلَّا يَقُولُوا مَا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَمَرًا
ہمنا چاہیہ کہ انقلابات کا قائل ہونا صاحبِ ہر شکل
لِئَلَّا يَقُولُوا مَا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَمَرًا
ہم اور راجعاً، اس میں مضطرب ہیں
اس کے بعد امام صاحب نے اس سلسلہ کے متعلق تین قول نقل کئے ہیں۔

اشاعہ کے نزدیک ہر قسم کے فرقہ عادت عموماً ممکن ہے یہاں تک کہ یہ بھی ممکن ہے

صرف اشاعہ
سلسلہ باج
منکرین

کہ ایک جز لایجرمی و نفعہ عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس میں بیٹھا ہو
چین کے کسی قانون کو دیکھ لے

۲۔ حکمائے طبیین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے

۳۔ معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتوں کے سوا ناممکن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہیں وہ دراصل نزاع لفظی ہو
اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہو سکتا ہے۔

اور جو شخص اس کا قائل نہیں وہ فرق عادت کا بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اختلاف اسطرح

پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آتا ہے، تو عام لوگ
اُس کی فرق عادت سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا

وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے گو وہ اسباب

غیر معمولی ہوتے ہیں، امام صاحب نے مطالب عالیہ میں فرق عادت کے اسکان کو اسطرح

ثابت کیا ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع

میں آئے، لیکن امام صاحب نے خیال نہیں کیا کہ اس حالت میں وہ امر فرق عادت نہیں ہو

کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے

کہ وہ اس سے کہ جو خلاف عادت وقوع میں آئے، فرق عادت کہتے ہیں گوا کے لئے

کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

اشاعرہ میں بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے ہے عام اشاعرہ ہر مرقم کے

فوق عادت کے
متعلق لوگوں میں
جو اختلاف ہو
لفظی ہے

خرق عادت کے
تخلی و شام وین
اختلاف ملک

خرق عادت کے قائل تھے اور شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُن کے نزدیک جس قسم کے خرق عادت پیغمبر سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے اولیاء بلکہ کافر و زندقہ جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو، اس کو سحر اور استدراج کہتے ہیں، اور انبیاء سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے۔ لیکن جہد و غور و فکر سے زیادہ کام کیا گیا یہ وسعت کلمتی گئی، علامہ ابو اسحاق اسفرائینی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ کہتے تھے، ان کا قول ہے کہ

لَا تَكُونُ الْكَلَامَةُ كَالْخَبَرِ خَرَقَ الْكَلَامُ | کرامت خرق عادت کی حد تک نہیں پہنچتی

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ میں بہت بڑے صوفی گذرے ہیں ان کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں گو مقدورات الہی کے لحاظ سے ممکن ہیں لیکن یہ قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی جو سرزد نہیں ہو سکتیں ۱۱

بوعلی سینا کی
راے

بوعلی سینا نے اشارات کے اخیر میں ایک باب باندھا ہے جس میں خرق عادت پر بحث کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ نہ اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کمان نہیں کھلیا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اس کی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی بیشمن گونی کی یا اس کی بددعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین میں دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مخر ہو گیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہو سکتے ہیں، تنگ ذہن سے ۱۲ یہ دونوں قول ابن عربی نے طبقات بلداوی میں نقل کئے ہیں، علامہ موصوت نے ایک نہایت مفصل مضمون خرق عادت کے جو اہل لکھا ہے

انکا ظہور ہوتا ہے، بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً
 اس کا طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب ہوا دردیہ کے ہضم کرنے میں مصروف
 ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی کئی دن تک انسان کو بھوک
 نہیں لگتی، کیونکہ بدن یا تحلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب
 حال کو خدا کے تصور میں اس قدر استغراق اور تجوہ ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کی طرف نہ
 مائل ہو، اس حالت میں مت تک وہی غذا قائم رہیگی اور بدن یا تحلیل کی ضرورت نہ پڑے گی
 یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں بھوک بالکل جاتی رہتی ہے

بوعلی سینا نے گوان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کئے تاہم
 ان کا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی
 ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کی جاتی ہے، گو واقع میں وہ اصول قدرت کے خلاف
 نہیں ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ
 تقہیبات الہیہ میں کہتے ہیں

اِنَّهَا لَمْ يَخْلُقْهَا وَهِيَ اَصْلًا اَمْوَالًا سَائِيَةً عَلَيْهِمْ
 الشُّبُهَاتُ بَيِّنَاتٌ سَائِرًا اَوْ كَسْبًا يَتَابِ

غرض کلی طور پر اس مسئلہ میں اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ کوئی
 چیز اصول قدرت کے خلاف وجود میں نہیں آسکتی، اس لئے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص
 (اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اُس کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ فقہ

عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آیا ہے، نہ یہ کہ حقیقت خلاف اصول قدر ہے،
 اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ فرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے،
 واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق لوگوں میں نہایت اختلاف ہے محققین
 کے نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہیں۔

(۱) جو واقعہ جس قدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اس کے وقوع کا
 یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جس قدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اس پر
 یقین کرنے کے لئے زیادہ کدوکاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت
 سچا ہے اور اس نے یہ روایت کی کہ فلان شہر میں پانی برساتا تو فوراً یقین آجائیگا، لیکن وہی
 شخص اگر پانی کے بجائے خون کا برسا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائیگی اور فقہ
 کے ثبوت کے لئے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت
 کی حیثیت بدلتی جاتی ہے۔

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لئے کافی نہیں۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اُس کے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ
 نہیں ہوتا کہ ہم کو ان واقعات کے یقین میں شبہ پیدا ہو جائے

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات دلفی کا کوئی پہلو یقینی نہیں ہوتا، اُس کی نسبت بھی ہم
 خالی الذہن نہیں رہتے بلکہ دو فائدہ پہلوؤں میں سے جو زیادہ قریب یقین ہوتا ہے ہم
 اُس پر اعتبار کرتے ہیں۔

واقعات پر یقین
 کہ نیک کیا اصول
 ہیں

عام لوگ، ان اصول کو ملحوظ نہیں رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہی مثلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ **ابن خلکان** نے لکھا ہے کہ فلان صوفی نگ میں گھس گئے اور آگ نے پتھر کو پتھر نہیں کیا۔ اس واقعہ پر عام لوگ فوراً اعتبار کر لین گے کیونکہ ان کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ابن خلکان میں مذکور ہے لیکن ایک محقق شخص اس بات پر غور کر لیا کہ یہ واقعہ بقدر ممکن ہے اس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دُعو کا کھایا ہو، یا بیچ کی روات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان میں سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، البتہ جس درجہ کا یہ واقعہ بقدر اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے اگر اُس کے ثبوت کی تنہا دقت قوی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہو سیکے گا۔ اور یہ قرار دیا جائے گا کہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہونگے جنکی وجہ سے اُس کے بدن پر آگ کا اثر نہ ہوا ہوگا۔

اشاعرہ کی یہ شتر گربی حقیقت میں نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی **خرق عادت** کے ثبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ واقعہ ممکن ہے اور اسکان کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ ہر قسم کے مستبعدات کو وہ ازل سے آج تک کبھی وقوع میں نہ آنے نہ ہون، اس میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہیں کرتے کہ واقعہ کے لئے ہر قسم کا اسکان و قنات کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ راویوں کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لئے صرف اسکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیونکہ اختیار کر لیا جو زیادہ ممکن بلکہ قریب الوقوع ہے

بہر حال خرق عادت (بمعنی عام) سے کسی کو انکار نہیں، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات میں ہے، جو خرق عادت جس درجہ بعد ہو، اُسی نسبت سے اگر اُس کے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری بحث۔ دنیا میں ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور آج بھی من حیث الائناسیٹام آدمیوں میں پایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء میں ضرور کوئی امر فوق العادت ہوتا ہے اس کو خیال کا زور یہاں تک پہنچا کہ انبیاء میں شانِ ایزدی تسلیم کی گئی، ہندوؤں نے رام اور کرشن اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیکر سمجھ لیا۔ زمانہ کی امتداد اور عقل کی ترقی نے اس تہ کو گھٹا کر کیا تو خرق عادت کے درجہ پر اگر ٹھہرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مہوت ہوئے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ، خرق عادت کو لازماً نہ نبوت سمجھتے تھے انھوں نے نہایت تعجب سے کہا۔

کُلُّ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (یونس)
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَلَّا نَسْتَدْعِيكَ
آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (دعل)
اُس پر خدا کے مان سے کوئی جبرہ کیون نہیں اُترا؟
کافر کہتے ہیں کہ خدا کے مان سے اُس کوئی جبرہ کیون نہیں اُترا۔

وَقَالُوا كَلَّا يَعْنِي آيَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ (الانبیاء)
بعضوں نے کہا سفرہ نہ ہی لیکن کچھ نہ کچھ اتنا ز تو ضرور ہے
وَقَالُوا كَلَّا نَسْتَدْعِيكَ
یٰمُوسٰى اَوْتِنَا لَكَ جَذَةً مِنْ شَجَرٍ وَعَصِ
نَفْعُهَا لَكُمْ هَٰذَا رَجُلًا يٰجِبُوا (بی اس ایل)
اور کہتے ہیں کہ تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تمہارے لئے
زمین سے کوئی شجرہ نہ نکال دے یا خود تیرے پاس کچھ دروازہ
انگوروں کا باغ نہ ہو جسکے درمیان تو نہر نہ چلائے

خرق عادت نبوت کا
لائعہ ہوا نہیں

اسلام جو اس لئے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق آج تک جو غلط فہمیاں اعتقادیان چلی آتی تھیں اور جو مسابحہ اپنے حال پر رہنے دی گئی تھیں ان کو قطعاً رفع کر دیا جائے جو اس لئے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اس کا یہ کام تھا کہ جس طرح اُسے توحید کو مکمل کیا تھا، نبوت کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھائے اس لئے سب سے پہلے اُسے نہایت صفائی نہایت آزادی نہایت وضاحت سے اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزیں بشریت سے بالاتر ہیں وہ غیر بن نہیں ہوتیں۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِدَّةٌ إِذَا هُمُ مِنَ اللَّهِ ۚ
أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ
إِنْ يَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (الغافر)
قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَعْدًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا
مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَكُنْتُ رُحًى
مِّنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا
نَذِيرٌ مُّبِينٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (اعراف)

اسے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں کہتا کہ میرا سر
کے اندر خزانے ہیں، اور نہ میں غیبتا ہوں اور نہ میں یہ
کہتا کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اس حکم پر چلتا ہوں جو میرے طرف وحی
کیا جاتا ہے اور یہ پیغمبر ان لوگوں کو کہہ دو کہ میری نفع و نقصان بھی
انصاف میں نہیں ان کو کچھ ضرر پہنچاتا وہ ہوتا ہے، اور اگر میں غیب کی
آگاہی دیتا تو یہ بہت سزاوارتہ اور محال و محال و محال ہوتا ہے یہ تو میری
فطرت اور اخلاق و لاؤ و لاؤ ہوں ان کو کہہ دو کہ میں جو ایمان لاتے ہیں

یہ سلسلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معقبات عوام کے بالکل خلاف تھا لیکن شامی نے
اس ہتھام سے اس کی تلقین کی کہ قرون اولیٰ تک اُس کے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہیں ہوئی
اس کے بعد اس مالک اور انالی غلطی کو رفع کیا کہ نبوت اور مہجرت میں تلازم ہے
منکرین جو مہجرات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو مہجرت پر موقوف سمجھتے تھے ان کے

جواب تلف طریقے سے دے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت ہجڑہ پر موقوف نہیں

وَقُولُوا لَكَ يَا كَافِرِينَ كَمَا يَرْكَبُ الشَّيْطَانُ نَارَ الْخِزْيَةِ إِذْ يَنْقُصُ مِنْهَا وَيَقُولُ لَهُ مَا يَكُونُ لَكَ

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ - إِنَّمَا أَنْتَ

مُسْتَرْزِقٌ وَلِكُلِّ فِرْعَوْنٍ كَهَادٍ (رعد)

وَقِيلُوا لَكَ يَا كَافِرِينَ كَمَا يَرْكَبُ الشَّيْطَانُ نَارَ الْخِزْيَةِ إِذْ يَنْقُصُ مِنْهَا وَيَقُولُ لَهُ مَا يَكُونُ لَكَ

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ كُلُّ رَأْسٍ لِلَّهِ يَصِلُ

مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (رعد)

وَقَالُوا لَكَ يَا كَافِرِينَ كَمَا يَرْكَبُ الشَّيْطَانُ نَارَ الْخِزْيَةِ إِذْ يَنْقُصُ مِنْهَا وَيَقُولُ لَهُ مَا يَكُونُ لَكَ

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ كُلُّ رَأْسٍ لِلَّهِ يَصِلُ

مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (عنكبوت)

سورة بنی اسرائیل میں بیان کیا کہ منکرین کہتے ہیں کہ درجہ تو تم پر جب ایمان لائے جب

تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کہ جو ریا انکو رکھا باغ تیار کر دو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو۔

یا خدا اور فرشتوں کو سامنے لا کر کھڑا کر دو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ

جاؤ پھر ان سب کے جواب میں خدا نے کہا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ عَمَّا تُشْرِكُونَ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا يَفْعَلُ الْغَائِبُونَ

اصل غلتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتوں کو طلب کرتے تھے وہ

نامکن اور محال تھیں تاہم خدا نے ان کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف غلط

کرنا مقصود تھا کہ گویہ بائین خدا کے اختیار میں ہیں لیکن نبوت کے ثبوت میں ان کو پیش کرنا، اسی قدیم غلطی میں لوگوں کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادت کے پیش کرنے سے انہیں اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہیں، ایک آیت میں خدا خود فرماتا ہے

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ
قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ آيَةً
وَلَٰكِنِ الْكُفْرُ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ (العام)

امام رازی سورہ نمل آیت دَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ
کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرِّ الرِّسَالَةِ الْآيَةُ الْمُبْجِةُ
پھر تھوڑی دُور سے بعد لکھتے ہیں۔

وَلِهَذَا عَلِمَ وَجُودُ رُسُلٍ كَثِيرَةٍ وَ
إِدْرَاسٍ وَتَعْيِيبٍ وَلَوْ تَعْلَمُوا لَهُمْ مَوْجِبَةً

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ البالغین لکھتے ہیں

فَلَيْسَتْ الْمُبْجِةُ إِلَّا كَلَامُ الْمُشْكِكَةِ لَا الْحُجَّتِ وَلَا الْحُجَّتِ وَلَا الْحُجَّتِ
وَحُجَّتُكَ الْإِلَٰهِيَّةُ أَمْوَرًا خَارِجَةً
عَنِ أَصْلِ الْبُحْثِ لَا رَمَّةَ تَعَارَفِي إِلَّا كَثُرَ
اصل نبوت سے خارج ہیں لیکن اکثر حالات میں نبوت کے
ساتھ لازم ہیں۔

امام غزالی نے معتزین الغلّال میں نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، آمین

نبوت کی حقیقت لکھ کر لکھتے ہیں کہ نبوت کا یقین آنحضرت کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں۔

فَمِنْ ذَلِكَ الطَّرِيقِ فَأُطْلِبُ الْيَقِينَ | تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس کو کہ لاطبی
بِالنَّبِيِّ لَا مِنْ قَلِيلٍ لَعَصَا نَعْبَانًا وَنَسَى الْبَقْرَ | سانپ بن گئی اور چاند بچھڑ گیا۔

تیسری بحث: معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف، اشاعرہ ظاہرین کا مذہب ہی اور وہ ہی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہی کہ معجزہ کو صادر ہونے کے وقت لوگوں کو عادتہ یقین ہو جاتا ہے، نہ عقلاً

شرح مواقف میں ہے۔

وَهَذِهِ دَلَالَةُ الْكَلَامِ لَيْسَتْ كَمَا كَلَّمَ عَقْلُهُ فَهَصَرًا | اور یہ دلالت محض عقلی نہیں ہے بلکہ وہ دلالت عادیہ ہے
بَلْ دَعَا كَمَا كَلَّمَ عَادِيَةً كَمَا اسْتَارَ يَقُولُهُمْ دَعَا | جیسا کہ صاحب مواقف نے چران لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ
عَمَّنْ نَأَى الْأَمْتَا حَرَّ لَا حَجْرًا عَالَمًا | یہ دلالت ہارمزویک (اشاعرہ) اس میں ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ
حَادَثَهُ مَخْلُوقُ الْعِلْمِ بِالْصِّدْقِ عَقِيبُهُ | حقیقہ صادر ہوتا ہوتا ہے جیسا کہ پھر کی پجالی کا علم لاؤ کہ وہ کوئی پیدا کر دیتا ہے

یہ دعویٰ بھی کئی طور پر نہیں کیا جاسکتا، ورنہ بداهت کی تکذیب لازم آتی مگر علامہ ثابت ہے کہ انبیاء کے ہجرات کے ظہور کے وقت ہزاروں آدمی ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ نہ ایمان لانے والوں کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ائمہ میں اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لئے کافی نہیں۔

امام غزالی معتقد الضلال بحث نبوت میں لکھتے ہیں

فَمِنْ ذَلِكَ الظَّرْفِ فَاطْلُقِ الْيَقِيْنَ بِالْبُتُوْ
 كَمَنْ قَدْ لَيْصًا تَعْبَانًا دَسَّقَ الْقَمْرَ
 راغب صفحہ ۱۱ لکھتے ہیں

وَذَلِكَ يُطْلَبُ مَا حُدَّ رَجُلَيْنِ أَمَّا دَا قَصْرُ
 عَنِ الْفَرَقِ بَيْنَ الْكَلَامِ الْإِلَهِيِّ وَبَيْنَ الْبَشَرِيِّ
 وَأَمَّا دَا قَصْرُ دَهُوْ مَعَ تَقْصِيهِ مُعَانِدُ
 اور مجزہ دوسم کے آدمی طلب کرتے ہیں۔ یاد ہو گا
 الہی اور کلام انسانی میں تمیز نہیں کر سکتا، یاد ہو گا
 ساتھ ہی دوسم بھی ہے۔

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اس کے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کئے
 وہ اوپر لکھ چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات میں
 اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات میں اپنی خاص تحقیقات بیان
 کیں، اور یہ بھی تصریح کر دی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از شکات ہے۔ امام ربانی
 مطالب عالیہ میں لکھتے ہیں

لَا مَحْلُوَاتُ الْعَائِلِ بِالْبُتُوْ لَا فَرِيْقَانِ
 نبوت کے قائل دو فرق ہیں

أَحَدُهُمَا الَّذِينَ يَقُولُونَ أَنَّ ظَهْرَ الْخَيْرِ عَلَى
 يَدَيْهِ عَلَى صِدْقِهِ هَذَا الْقَوْلُ هُوَ الظَّرْفُ الْإِلَهِيُّ
 ایک فرق کہتا ہے کہ ہر جہات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے
 کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے، اور دنیا کے

حَامَّةٌ أَنْ يَابِلَ لَيْلٍ وَالْحَقُّ -

عام اہل مذہب اسکے قائل ہیں

وَأَقُولُ الْغَائِي أَنْ نَقُولُ إِنَّا نَعْرِفُ أَكْثَرَ أَكْثَرِ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقلاً

الْحَقُّ وَالْحَقُّ فِي الْأَمْرِ مَا هُوَ

اور اعمال خیر کیا ہیں، اس امر کے محقق ہوجانے کے بعد

كَانَ الصَّوَابُ فِي الْأَمْرِ مَا هُوَ وَإِنَّا نَعْرِفُ

جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص کو کون کون حد تک

حَالَهُ نَعْرِفُ إِنَّا نَسْأَلُ عَوْنَهُ لِيُحَقِّقَ

دعوت و تپاس ہے، اور یہی نظر آئے کہ اہل بات کو کون

الَّذِينَ الْحَقُّ وَرَأَيْتَ أَنَّ لَهْوَهُ إِنَّا نَقُولُ

باطل سے حق کی طرف لانے میں نہایت قوی اثر رکھتی

فِي صَوْنِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَى الْحَقِّ

ہے تو ہم کہتے ہیں ہوجا کہ وہ بچا غیر ہے اور واجب

عَرَفْنَا أَنَّهُ حَقٌّ وَكَانَ كَيْفَ لَمْ يَسْجُدْ وَهَذَا

الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہوا

الطَّرِيقُ أَقْرَبُ إِلَى الْعَقْلِ وَالشَّهَادَةُ قُلُوبُ

اسپر بہت کم شہمہ دار ہوتے ہیں۔

الطَّرِيقُ أَقْرَبُ إِلَى الْعَقْلِ وَالشَّهَادَةُ قُلُوبُ

اس کے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے

الطَّرِيقُ أَقْرَبُ إِلَى الْعَقْلِ وَالشَّهَادَةُ قُلُوبُ

پھر ایک عنوان بامعنا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے بھی یہی طریقہ افضل

ثَابِتٌ هُوَ مَا هُوَ خِلَافٌ لِكُلِّ

ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

الْفَضْلُ تَلَوْنِي فِي بَيِّنَاتِ أَنَّ الْعَمَلُ الْعَظِيمُ

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے میں کہ قرآن

يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هَذَا الطَّرِيقَ هُوَ الطَّرِيقُ

مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے پر

أَكْمَلَ الْأَفْضَلُ فِي تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ

یہی طریقہ زیادہ کامل و افضل ہے۔

الْفَضْلُ تَلَوْنِي فِي بَيِّنَاتِ أَنَّ الْعَمَلُ الْعَظِيمُ

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں

الْفَضْلُ تَلَوْنِي فِي بَيِّنَاتِ أَنَّ الْعَمَلُ الْعَظِيمُ

پانچویں فصل اس بات کے بیان میں کہ نبوت کا اس طریقہ

الْفَضْلُ تَلَوْنِي فِي بَيِّنَاتِ أَنَّ الْعَمَلُ الْعَظِيمُ

پانچویں فصل اس بات کے بیان میں کہ نبوت کا اس طریقہ

نہایت کی ایک
دوسری تفسیر

اس انداز میں اس
اور دوسرے طریقہ کو
یہ وہی ہے جو
ہیں

اس طریقہ کا
نبوت قرآن مجید
سے

إِنَّمَا النَّبِيُّ بَعْدَ الْطَرِيقِ أَقْوَمُ وَلَا
أَكْمَلُ حَرْجٍ إِنَّمَا بُعِثَ بِمُحَمَّدٍ كِتَابٌ - وہ معجزہ سے ثابت کی جائے،

تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا اِنَّهَا النَّاسُ فَكَانَ مَعَهُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَبَيِّنَاتٌ لِّكُلِّ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ اَلَّذِي رَزَقْنَاهُمْ مِنْهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسری طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلیٰ والا کہ افضل ہے

امام رازی کے سوا، امام غامی، ابن خزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے، ہم ان سب کی تقریر کو نقل کرتے ہیں جس سے نبوت کی پوری تصویر ذہن میں آجائے گی اور یہ ظاہر ہوگا کہ استدلال کتب کلاسیہ میں جو لکھا ہے صرف اشاعرہ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔ ہم نے مطالبہ لکھا کہ یہ ضربہ بعینہ کلمات کے ضمیمہ میں شامل کر دیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہیں۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کئے ہیں۔ وہ ہیں (۱) انسان کا ہمہ کی تمام حقائق اشیاء و غیرہ و شرکاء و راک ہے۔ اس جہال کی تفصیل یہ

کہ انسان کو دو قسم کی قوتیں دی گئی ہیں **نظری** - **عملی**۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیاء کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے کہ حقائق اشیاء کا صحیح علم ہو

یعنی ہوشی ذہن میں آئے ٹھیک اُس صورت میں آئے جو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے، عملی کے معنی یہ کہ کون سے افعال اعلیٰ کرنے کے قابل ہیں؟ اور کون سے نہیں اس کا

امام رازی کے
نزدیک نبوت
کی حقیقت

کمال یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہوں۔

(۲) ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمیں ہیں

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف میں ناقص ہیں

(۲) خود کامل ہیں لیکن ناقصوں کی تحمیل نہیں کر سکتے

(۳) خود کامل ہیں اور ناقصوں کو کامل بنا سکتے ہیں

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہیں نقصان کا درجہ اس حد تک

پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور میں صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ

بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے

بیچ میں ہزاروں درجے ہیں یہاں تک کہ اگر ہزاروں لاکھوں افراد انسانی کے حالات کا

موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص، دوسرے شخص سے کچھ نیچے کچھ ان اوصاف میں

متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان و کمال دونوں کی انتہائی حدیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں

کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہنچا ہو، جس شخص میں

یہ دونوں قوتیں کامل درجہ پر پائی جائیں، اور دوسروں کو بھی کمال کے درجہ تک پہنچا سکتا

ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے،

لے یہ مطالبہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہے، اہم صاحب کے تفسیر کبیرہ آیت قَالَتْ لَعَنُوا لِمُؤْمِنًا مِّنَ الْمَرءِ اِہْم کی تفسیر میں

اسی تقریر کو زیادہ مختصر کے ساتھ لکھا ہے اور تقریر کی جگہ وہ امام غزالی کو اخذ ہے۔ اس تقریر کی اہم صاحب نے نہایت

تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ ہمدانی کا اسکا ترجمہ ہے عَنْ زَيْدِ بْنِ اَلْعَدَاۗءِ الْقَطَاۗءِ اَلْقَطَاۗءِ ۱۲

امام صاحب یہ ثابت کر کے کہ نبوت صرف قوت نظری و علمی کے کمال کا نام ہے اور
معجزہ وغیرہ کو اس میں کچھ دخل نہیں، لکھتے ہیں۔

وَمِنْ جَمَلَةِ الْآيَاتِ الَّتِي عَلَى صِحَّةِ مَذْهَبِنَا
أَنَّ تَعَالَى لَمَّا خَلَقَ الْإِنْسَانَ طَبَّقَ لَهُ
الْمُعْجَزَاتِ الْقَاهِرَةِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَقَالُوا
نُؤْمِنُكَ سَخِي تَعَالَى لِمَا مِنْ الْأَرْضِ يَنْبُتُهَا
ثُمَّ إِنَّ تَعَالَى قُلُوبَهُمْ لَنَفْسٍ لَنُفْسٍ لَا بَشَرًا
رَسُولًا يَعْنِي أَوَّلَ تَشْخِصٍ لَنَا نَأْمُرُ وَنُؤَيِّدُ
مَعْنَاؤُهُ كَمَا فِي قَوْلِهِ النَّظْمِيَّةِ وَالْعِلْمِيَّةِ وَقَوْلُهُ
عَلَى مَعْلَجَةِ النَّاصِيَةِ وَهَاتَيْنِ قَوْلَيْنِ لَيْسَ
يَلْزَمُ مِنْ حُصُولِ هَذِهِ الْقِدْرَةِ قَوْلُهُ عَلَى الْكُلِّ لَيْسَ
طَبَّقَ لَهُمْ هَاتِهِ

میں خدا نے کہا کہ اے محمد کہہ دو کہ وہ جان اللہ میں تو صرف
آدمی اور پیغمبروں، یعنی کسی آدمی کا پیغمبر نہ صرف پھر
موقوف ہو کہ وہ قوت نظری و علمی میں کامل ہیں اور
ماقصود کو کامل کر سکتا ہو۔ اس کو نہیں لازم آتا کہ وہ
ان باتوں پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو

(یعنی حجرات)

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو اللہ الباقین نبوت کی حقیقت زیادہ کتب میں لکھی اور حقیقت سناسی کی سادہ
لکھی ہے چنانچہ ہم ان کو معقول و اپنا الفاظ و اپنے پیرائے میں داخل کر دیتے ہیں لیکن چنانچہ اس کی بات خدا نہیں
ہو اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ انسان کا تکلف ہونا، اور شروع وادیا، کتنا قائم ہونا، ب
نظری، مومنین، سلسلہ کائنات پر غور کیا ہے

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختوں کو دیکھو، ان کے ہزاروں لاکھوں قسم ہیں

شاہ ولی اللہ
صاحب نے یہ
نبوت کی حقیقت

لیکن ہر ایک کی شاخیں پتے پھول پھل پھلون کی بو باس، رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، ان کی صورت نوعیدہ کے نتائج ہیں یعنی ہر ذرت کے بننے خصوصیات ہیں خود اس کی صورت نوعیدہ نے پیدا کی ہیں اس بنا پر مثلاً یہ سوال کہ ناکہ انگور شیریں، لطیف، باریک پوست کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیونکہ یہ سوال کہنا گویا یہ کہنا کہ انگور انگور کیون ہوا، انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہے کہ وہ شیریں ہو، لطیف ہو، باریک پوست ہو، اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان میں سے ہر ایک کی مکمل صورت، رنگ، جدا ہے لیکن ان میں نباتات سے بڑھکر کچھ اور چیزیں بھی ہیں یعنی اختیاری حرکات اور فطری اہلیات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اسکے تمام ضروریات و خصوصیات زندگی کے کفیل ہیں، اُن کی تربیت و پرورش کے لئے اُن کی فطرت کے خاطر سے الگ الگ سامان مہیا ہیں، نباتات چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ نہیں ہیں اس لئے ان میں رنگ و ریشے پیدا کئے گئے ہیں جو پانی، ہوا، اور بڑی، کے لطیف اجزاء کو چوستے ہیں اور تمام تلخ و برگ میں تقسیم کرتے ہیں جیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لئے اُس کو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود پہل پہل اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہیں، چار پائے کھانے چرتے ہیں، درندہ گوشت کھاتا ہے، پرندہ اڑتے ہیں مچلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف صورت نوعیدہ کے نتائج ہیں، اور یہی صورت نوعیدہ ہر ایک کو اُس قسم کے خاص اور اکات - خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہیں، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور ادراکات ہیں سب فطری اور الہامی ہیں یعنی ان کو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہیں بلکہ وہ علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اور یہ سب بڑی خصوصیت ہے جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ (جنہیں وہ اور دیگر تمام حیوانات برابر کے شریک ہیں) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا گیا ہے جس کو اکتسابی اور فطری کہتے ہیں اور جو تجربہ، غور، فکر اور ترقیب، مقدمات و محال ہوتا ہے یہی اکتسابی اور اک یا الہام سے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، فنیات اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے یہی قوت ہے جو مختلف پیرایوں میں مظاہر ہو کر بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم کسی کو صنعت گر بناتی ہے۔

لیکن یہ تمام علوم و ادراکات وہ ہیں جو انسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے، اور جس کو قوتِ ملکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کی مخلوقات کو دیکھ کر غور کرتا ہے کہ یہ تمام کا رخانہ کیوں کر قائم ہو گیا جو خدا کو پسندیدہ کیا، کون مجبور و زری دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب وہ ایک قوتِ عظم کا قائل ہوتا ہے، اور پھر اسے سنا، سچ، حتم کرتا ہے اور خضوع و خشوع کے تمام ادب بجالاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات تجر و حیر چاہنے، سورج ستارے، زمین، آسمان، سب اُس مایہِ برآ عظمت کے معترف ہیں اور اُسے آگے سر نہ نیاز ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

هَذَا وَحَرَمَهُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ لَعْنَتُ دَجَلَةَ الْبَهَائِمِ
 أَنْ تَرَعَى لِحَيْثِيَّتِهِمْ وَحَرَمَ عَلَيْهَا أَكْلَ الْمَحْرَمِ +
 وَمِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى الْحَرْثِ أَنْ يَتَّبَعَ الْيَعْسُوبَ
 الْكَافِرَ الْحَيْوَانَ اسْتَوْجَبَ عَلَى عِلْمِهِ هَذَا الْهَامَا
 رَجَبِيًّا وَاسْتَوْجَبَ الْهَمَّاسُ لَتَقَى عِلْمُهُمْ كَسْبًا
 وَنَظَرًا وَجَعِيًّا وَبَعْلِيًّا (حَجَّهَ اللَّهُ الْبَالِغَ صَفْحَةً) اور وجہی ہے۔

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، ربی زیادہ تفصیل کے ساتھ معالج القدر
 میں بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ بیان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون
 نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ میں شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے
 کتاب المنقذ اور احیاء العلوم میں لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ
 انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ
 اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا سب سے پہلے اس میں بس کا احساس پیدا
 ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہیں،
 مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، ہیوست، نرمی، سختی، اس کا ماسہ کو مریات، اور سموات سے
 تعلق نہیں جو شے محض سننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق میں یہ ماسہ بالکل معدوم ہے،
 لمس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا ماسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور
 مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چھونے کی، یہاں تک کہ موسات کی

نبوت کے متعلق
 امام غزالی کی
 رائے

حد درجہ جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اسکو تیز رفتاری جاتی ہے اور ان چیزوں کو ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہیں یہ دور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے اُس سے اُنکے بڑھکر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن بحال، جائز، ناجائز، کا ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے جاتا ہے جس طرح تیز و عقل کی مدرکات کے لئے حواس بالکل یکساں ہیں، اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لئے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے۔

بعض عقلا اس درجہ کے مندرجین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزوں کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے۔

منقذین الضلالین کہتے ہیں۔

بَلِ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ أَنْ يَقَرَّ بِإِثْبَاتِ
طَوْدٍ وَرَأَى الْعَقْلُ تَفْهِيْمًا وَيَدْرِكُ
بِهِمَا مَدْرَكَاتٍ خَاصَّةً لِلْعَقْلِ
مَعْرُودٍ عَنْهَا كَعَرْلِ السَّمْعِ
عَنْ إِدْرَاكِ الْأَكْوَانِ
نبوت کے تسلیم کرنے کے یہی ہیں کہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کل جاتی ہے جس سے وہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں جنہ عقل بالکل محروم ہے جس طرح سماعت کے ادراک سے بالکل مندرجہ،

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہے، یا ان لوگوں کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہیں یا جنہوں نے ریاضات اور مجاہدات کو لئے منقذین الضلالین صفحہ ۱۰۲

مکاشفات اور شہادت کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی مقدس من الفضل میں اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

وَبِالْجَمَلَةِ مَن لَّمْ يَرَوْكَ مِمَّنْ شَيْءٌ بِالدِّقِّ قَلِيلٌ
يُنْزِلُكَ مِنْ حَقِيقَةِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْإِنْسَانُ

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ نہ انہیں سمجھا ہر وہ نبوت کی حقیقت نہیں جان سکتا بجز اس کے کہ نبوت کا نام جان لے

اس کے بعد لکھتے ہیں

دَمِجَانًا لِّي بِالنَّصْرِ دَرَّةٌ مِنْ مَّعَادِ سَةِ
طَرِيقُهُمْ حَقِيقَةُ النُّبُوَّةِ وَخَاصِيَّتُهَا

صوفیوں کے طریقہ کی شق سے جو نبوت کی حقیقت اور اسکی خاصیت یہی طور پر معلوم ہو گئی

نبوت کی شق
ایک اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدائی گئیں۔ ذہن و دکاوت فہم و فراست عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کثرت مختلف المراتب ہیں۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین اتیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک نبوت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کے حصے سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو لوگ شاعری میں قوت تفریق میں۔ شاعری میں۔ ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی بڑھے اور کم ہوئے سے نہیں ملتا بلکہ ابتداء ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے اشخاص کو کتنی ہی کوشش کریں، ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے انھیں قوت میں حقائق انشائیہ کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم ہے اور کسی میں زیادہ۔ کسی میں

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک چھو جاتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر ان کو حقائق و اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہیں ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیا کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکہ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔

امام صاحب نے یہ مضمون احیاء العلوم کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں

لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے: **يَتَأْتِي النَّاسَ فِي الْعُقُلِ خِيَانَةٌ سَكَنُهَا فَقَرٌّ بَيْنَ -**

وَلَيْفَ يَكُونُ تَقَاوُلُهُ الْفَرِيدُ وَلَا كَوْنُهُ لَهَا اخْتِلَافٌ

النَّاسُ فِي تَقَرُّ الْعُلُومِ وَلَمَّا انْقَسَمُوا إِلَى

بَيْنِهِمْ لَا يَفْقَهُونَ بِالتَّفْقِيهِ وَلَا يَجِدُونَ تَعَرُّفًا بَيْنَ

الْمُعَلِّمِ وَالْمُتَلَمِّذِ فِي تَفْقَهُ بِلَا حُجَّةٍ وَلَا اسْتَدِلَّةٍ

وَالِي كَلَامٍ بَدِيعٍ مِمَّنْ تَقْسِمُ حَقَائِقُ الْأَقْوَرِ

دُونَ التَّعْلِيمِ كَمَا قَالَ تَعَالَى: يَكَادُ رُشَهُ يُخَيِّ

وَلَوْ كُنْتُمْ فَهْمًا سَهْلًا - وَلَوْ كُنْتُمْ فَهْمًا سَهْلًا

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اذْ يَتَضَعُ لَهُمْ فِي طَبَقِهِ

أَمْرًا مَعْلُومًا مِنْ غَيْرِ تَعْلِيمٍ وَسَمَاعٍ وَلْيَعْبَرُ

ذَلِكَ بِالْأَهْلِ وَالْأَهْلَاءِ وَغَيْرِهِمْ عَمَّا رَأَى صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ

سے ہے اس مضمون کو اپنے طرز بیان میں ادا کیا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ لَا رُوحَ الْإِنْسَانِ إِلَّا فِي رِجْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ طے اس طرح تعبیر کیا کہ روح القدس میں نبی روح میں ہو گا
 امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا اسکان ثابت کر کے لکھتے ہیں کہ داب اگر کسی خاص شخص کی
 نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو اس کے حالات خود اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔
 امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو یوں یقین ہے کہ اس لئے کہ فقہ میں انکی نہایت عمدہ
 تصنیفات موجود ہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ نبوت کے
 جو آثار ہیں اُس کے ہر ہر لفظ سے نمایاں ہیں تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل محمد بنوری
 کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا۔

محمد بن حزم نے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلیم و تہذیب کے علم حاصل
 ہو یا نہ ہو لکھتے ہیں

فَصَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ كَوْنُهُ فِي الْأَحْكَامِ وَحَيْثُ بَعَثَهُ
 قَوْمُهُ وَنَحْوَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى بِالْفَضِيلَةِ وَالْعِلَّةِ
 الْأَكْمَلَةِ أَوْ دَلَالَةِ الْعِلْمِ هُمْ اللَّهُ الْعَلَمُ
 بِدُونِ تَعْلَمِهِ كَمَا تَقُولُ فِي مَلَاتِمِهِ وَالْكَالِبِ
 لَهُ وَمِنْ هَذَا الْبَابِ مَا يَدُلُّ عَلَى أَحَدٍ
 فِي الْوُجُوهِ فَجَزَّحَ حَيْثُ

محمد موصوف نے اس کا اسکان اس طرح ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جب قدر علم و فن

لے مقدر منضال از صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۱ مل و محل بن حزم

نبوت کے متعلق
 محمد بن حزم
 کی رائے

صفت و خیرت وغیرہ ایسا دیوئے موجد اول کو ان کا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلم کے ہوا ہو
ورنہ تسلسل لازم آئے گا سلسلے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی و اخبار ہے
محدث موصوف بہت سے صنایع و فنون کے نام لکھ کر لکھتے ہیں

فَوَجَّ بِبَالِ الصَّوْنَةِ لَا يَدْرِي مَا شَاءَ
وَاجِدٍ فَكَفَّرَ عَنْهُمْ اللَّهُ بِكَدِّهِ
مَكْلُ هَذَا دُونَ مَعْلَمٍ لَيْتَ يُؤْمِنُ
حَقَّقَهُ مِنْ كَادِهِنِ وَصَفَّ اللَّهُ لَوْنَهُ

تو یہ بات ضروری تھیری ایک بابا یک سے زیادہ اس قسم کے
انسان پائے جائیں جن کو خدا نے یہ علوم و صنایع ابتداءً
بیکسی معلم کے خود اپنی وحی سے کھلائے اور یہی نبوت کی
صفت ہے۔

ان تمام تقریروں کا تامل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور
مختلف قوتیں عطا کی ہیں جو بعض اوقات دین بالکل نہیں پائی جاتیں، اور بعض میں بہ تفاوت درجہ
پائی جاتی ہیں اسی طرح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت تدبیر یا ملکہ نبوت ہے۔
یہ قوت ترکیب نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے ہر شخص میں یہ قوت موجود ہوتی ہے۔
وہ اخلاق میں کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانوں کو کامل بناتا ہے اور یہ شخص کسی سے
تعلیم و تربیت نہیں پاتا بلکہ بغیر تعلیم و تعلیم کے اسے حقائق اشیاء منکشف ہو جاتے ہیں۔

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جب یہ بات براہ راست آتی ہے
کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوتا مثلاً ہومر ورامر القیس اور باوجود اس کے اس درجہ کا
فصیح و بلند شاعر یا خطیب یا صنائع یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ میں اس کا جواب نہیں ہوتا

لے مل وکل صفحہ ۱۱، مطبوعہ مصر۔

تو یہ کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ اُن پر جو تکلم و تعلیم کے احاطہ کے حقائق و اسرار کشف ہو جائیں،

کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اکثر انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اس کے صرف ہدایت و یقین کی تاثیر سے دنیائی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کئے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتوں کو سچ سمجھنا جو انسان کی فطرت صحیح کا تقاضا ہے ایک شخص جو حق کا تشہد ہے جس کا وہ جان صحیح ہے جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے، جس کے دل میں سچی بات آپ سے آپ اُتر جاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے یقین و ہدایت مندری تو یہ وہ نہ کہ کشیوں میں نہیں پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہے کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے، مولانا روم نے کی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی بیابان کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کرے گا کہ یہ پانی یہاں سے بہا ہے یا وہاں سے، یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لئے بلائے تو کیا اس کو شک ہو گا کہ یہ میری ماں ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لئے نکلا ہے یا نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ورق، آب است سنان و طب

از برم اسے رمی - مہو رشو

جنس آب است و از ان مابعدین

تشنہ را چون بگویی تشنه آب

سچ گوید تشنه کاین معوی است رو

ایکواہ و سچے ہما کہ این

نبوت کی تصدیق
کیونکر ہوتی ہے

یا طفل شیر مادر با نگ زد
که بیاسن مادر من بان اسے ولد
طفل گوید مادر حاجت بیار
تاکہ با شیرت گیم من تزار
در دل جہرستی کہ حق مزہ است
روی و آواز پیغمبر بہت
چون چیمہ از برون با نئے زند
جان بہت در ورون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ اواند ر جہان
از کسی نشیندہ باشد گوش جان

امام راغب صفہائی لکھتے ہیں کہ انبیا کو دو قسم کے سچے دے جاتے ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہیں، اُن کے چہرہ دل پر وہ نور ہوتا ہے جو دلوں کو فریفتہ کر لیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کر لیتے ہیں، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو شفی ہو جاتی ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَمْثَالُ إِذَا حَصَلَتْ كَمَا يَحْتَسِبُ
أَوْ رِيهَ حَالَاتٍ حَبِيبَاتٍ يَأْتِيهِنَّ تَوْسِيعٌ وَارَادَى كَوْنُ
دَوَابِّ الْبَصَائِرِ مَعَهَا لِيُفْجَأَ كَمَا يَطْلُبُهَا
اگر کسی سچہ کی ضرورت نہیں تھی اور وہی سچہ کجا نہیں آتا

امام غزالی سے منقول من الضلال بن جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت کے ہایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی نبوت پر یقین ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہیں،

فَيُؤْنِ ذَٰلِكَ الصَّادِقَ فَاطِلًا لِّقِيَمِ الْبُيُوتِ
كَأَنَّ قَلْبَ الْعَصَا نَعْبَانًا وَتَقَرَّرَ الْخَلْقُ
تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ اس سے کہ عصا سنبھلے ہو گیا یا چاند شق ہو گیا۔

معارف فی شرح الصوائف میں جو علم کلام کی مستند کتاب ہے آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنی ہجرات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے

اَلْوَجْهَ الثَّانِي فِي اثْبَاتِ بُرْهَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّيْ

اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَخْلَاقِهِ وَاَفْعَالِهِ وَاَحْكَامِهِ

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں

وَهَذَا الْوَجْهُ بِالْحَقِيقَةِ يَعْنِي حَقِيقَةَ النَّبُوَّةِ

اور یہ طریقہ درحقیقت نبوت کی حقیقت بنا دیتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ

زمرب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیاء کے

اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہیں رکھتے، علم کلام کی متداول کتابیں میں اس ضروری نکتہ کو بالکل

نظر انداز کر دیا ہے لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ میں ابن رشد نے کشف الادلین

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اللہ البالغہ میں تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہیں

ان میں سے ضروری الذکر یہ ہیں

(۱) انبیاء کو اگرچہ عوام و خواص دونوں کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام

کے مقابل میں خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لئے ان کی طرز تعلیم اور طریقہ ہدایت

میں عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ممکن میں ایسے الفاظ و جو دیوتے ہیں

جن سے اہل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہیں

انبیاء کی تعلیم
اصول

پہلا اصول

نام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ
بیان کی ہے کہ۔

اِنَّ الْقُرْآنَ كِتَابٌ شَمَلٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْعَوَامِّ
وَالْعَوَامِّ بِالْكَلِمَةِ وَطَرِيعُ الْعَوَامِّ يَكُونُ فِي
اَكْثَرِ الْاَحْزَانِ اِدْرَاكِ الْمَخَافِقِ۔

قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص و عام کے حق کی طرف
دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر سہم
میں حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے۔
اس لئے صلیت یحییٰ کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے
جو عوام کے خیالات اور تصورات کے ساتھ کچھ
نسبیت رکھتے ہوں اور ان کے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملے۔

(تفسیر کبیر آل عمران آیت عَوَالِدِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ)

ابن رشتہ فصل النقال میں لکھتے ہیں

وَكُنْ اَلشَّرْعُ مَقْصُودَ الْاَوَّلِ الْخَاصَّةِ
بِاَكْثَرِ تَوْحِيْدٍ اَعْلَانٍ لِتَنْبِيْهِ الْخَوَاصِّ
خَوَاصِّ كِي تَنْبِيْهِ سَبِيحِيَّةٍ شَرْعِيَّةٍ مَقْصُودِ الْاَوَّلِ اَتَمُّ اَمَّا اَلْعَوَامُّ

(۲) انبیاء لوگوں کی عقل و علم کے لحاظ سے ان سے خطاب کرتے ہیں لیکن اس

علم و عقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی میں پائی جاتی ہے۔ کتابتجاہدہ مراقبہ
سماست کی وجہ سے جو علم و عقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیاء کے خطاب کا موضوع نہیں

دیرین سیرت و عادات کا تعلیم الناس کے
عَلَى قَدَرٍ وَعُقُودٍ اَوْ اَعْلَى خُلُقُو عَلَيْهِمْ
اور انبیاء کے اصول میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں سے
انکی فطری عقل کے موافق خطاب کرتے ہیں۔

دوسرے اصول

فَاَلَا يَتَذَكَّرُ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوا اِلٰهَهُمْ الَّذِي خَلَقَهُمْ وَيَتَّخِذُوا لَهُمْ اَسْمَاءً مِّمَّا دُعِيَ عَلَيْهِمُ الْمَوْجِعُ مِنْهُمْ فَيَحْضِلُوْا مِنْهُ نَفَقَةً فَاِذَا اَلَكُمُ الْكُفْرُ الْاِنْسَانُ اَنْ يَّعْرِضُوْا
لَكُمْ بِمِثْلِ مَا جَعَلَكُمْ وَاتَّخَذُوا عَلَيْكُمْ اُلُكُلًا مِّنْ حَلٰلَتِهِمْ
وَالْاَيْمَانُ سَوَابُهَا لِيَعْرِضُوْا مَثَرَهُمْ
جَمِيعًا اِلٰحْمَاهُمْ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّهِمْ

اس لئے انبیائے محض اس فہم اور ادراک کے لحاظ سے
خطاب کیا، جو ان لوگوں کی خلقت میں ودیت پہنچانے
انبیائے لوگوں کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ خدا کو تجلیات
مشاہدات۔ براین۔ اور قیاسات کے ذریعہ پہچانیں
نہ انکو اس بات پر تکلف کیا کہ وہ خدا کو جہت، اور
ہر حثیت سے منظر خیال کریں،

تیسرا اصول

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیاء تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا
اور قسم کے مسائل اور رسالت اور حقائق سے متعرض نہیں ہوتے، اور اس قسم کے امور
کے تعلق کچھ بیان کرتے ہیں تو انہی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اس میں بھی
استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ اَنْ لَا يَسْتَوْخَلُوْا بِمَا كَانَتْ تَخْلُقُ
بِهَيْئَتِهَا النَّفْسُ وَرِثَاسَةً لِّمَنَ كَانَ اَسْبَابُ
حَوَادِثِ الْبُحُوْرِ الْمَطَرِ وَالْكَسُوْفِ وَالْاَلْفِ
وَعَجَائِبِ الْبَنَاتِ وَالْحَيَوَانَاتِ وَمَقَادِيْرِ سِيَرِ
الْشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اَسْبَابِ الْحَوَادِثِ الْيَوْمِيَّةِ
وَقِصَصِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُلُوكِ وَالْبُلْدَانِ مَعُوْهَا
اَلْكَلِمَاتُ سِيَرَتُهَا اَلْفَهَامُ اَسْمَاعُهُمْ وَقَبْلُهَا

اور انبیاء کے اصول میں سے ایک بات یہ کہ جو امور
تہذیب نفس، اور سیاست قومی سے تعلق نہیں رکھتے
ان میں وہ دخل نہیں دیتے مثلاً کائنات، الجہنم، بارش۔
گرجن۔ کالمہ کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور
حیوانات کے نباتات چاند سورج کی رفتار کی مقدار
حوادث یومیہ کے اسباب۔ انبیاء سلاطین۔ اور مالک
قصود وغیرہ ان چیزوں پر بحث نہیں کرتے بلکہ ان چیزوں کی

فَهَوَّاهُمْ يُوقِنُ إِلَهَافِي السَّمَاءِ يُرِيتُكَ يَكْفِيكَ اللَّهُ
 وَلَسْتَ تَرَى يَأْمُرُ اللَّهُ عَلَى سَبِيلِكَ لَسْتَ بِمُحَرَّرٍ مِنْ كَلِمَةٍ
 إِنْ هِيَ إِلَّا نَسْخٌ أَوْ مِثْلُهُ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
 وَانْفِجَارَاتٍ لِذَلِكَ لَا تُفْصِلُ لِمَنْ سَأَلَ الْوَيْلَ
 عَنْ مِلَّةٍ يُفَصِّلُ الْفَرْقَ لِيَاذَنْبَهُ أَعْرِضْ اللَّهُ
 نَعَالِي هُنَّ ذَالِكِ الْوَيْلَ لِيَاذَنْبِهِ أَعْرِضْ
 فَقَالَ يَسْأَلُونَكَ عَنْ الْأَنْفُسِ الَّتِي قُتِلَتْ
 فِي النَّاسِ وَالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا مِنْ أَنْبَاءِ
 دُونِ هَؤُلَاءِ سَبِّ الْأَنْفُسِ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا
 مِنْ الْأَنْبَاءِ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا
 عَذْرَافُكُمْ (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۸۸)

باتیں ہیں سے لوگوں کے کان مانوس ہو چکے ہیں اور انکی
 عقول نے ان باتوں کو قبول کر لیا جو ماورائے باتوں کو
 بھی وہ لوگ خلا کی شان اور قدرت کے ذمہ میں مخفی طور
 پر اجلا بیان کرتے ہیں اور اس میں مجاز اور مستعار کو
 کام لیتے ہیں، اور اسی اصول کی بنا پر سب لوگوں نے
 انصاف سے چاند کے گھٹنے پر غصے کا سبب پوچھا تو خدا نے
 انکے جواب سے اعراض کیا اور اس کے بجائے مہینہ کا
 فائدہ بیان کروایا چنانچہ فرمایا ویسٹونک لٹم اور اکثر
 لوگوں کا مذاق، ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے متعلق
 کی وجہ سے خواب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انہماک کا کام کو خزان
 حقیقت عمل پر محمول کرتے ہیں۔

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیاء کا عمل رہا ہے کہ وہ جس قوم میں مبعوث
 ہوتے ہیں اسکے اکل و شراب، لباس، مکان، سامان آرائش، طریقہ نکاح و زوجین کے
 عادات بیع و شراعت عاصی پر دار و گیر فصل قضا یا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہیں
 اگرچہ یہ چیزیں دینی ہی ہیں جیسا انکو ہونا چاہیے ہے تو پھر کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں کرتے بلکہ غریب
 دلاستے ہیں کہ یہ رسوم و اقین صحیح اور واجب العمل اور نبی علی الصلح ہیں، البتہ اگر ان میں کچھ
 نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسائی کا ذریعہ ہوں۔ یا لذات دنیوی میں انہماک باعث ہوں

جو تھا ہول

یا اصولِ حسان کے مخالف ہوں۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے منہ پر واکر میں نے
والی ہوں تو ان کو بدل بیٹھتا ہوں وہ بھی اس طرح نہیں کہ سرے سے انقلاب کو دین، بلکہ اس قسم
کی تبدیلی کرتے ہیں جس کے مشابہ کوئی خیر قوم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگوں کے
حالات میں اسکی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جنگو قوم، اپنا مقتدا دیشوا تسلیم کرتی آتی ہے۔
شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کر کے لکھتے ہیں،

فَلَيْسَ الْمُنْعَى اخْتَلَفَ سَرِيعَ الْكَيْفِ وَالرَّيْبِ
فِي الْعِلْمِ يَعْلَمُ أَنَّ السَّيِّئَ لَا يَجِي فِي الْإِنْسَانِ
وَالْظُلَمَ وَالْمَعَامِلَ الْكَرَّ وَالزَّيْفَةَ وَاللَّكْسَ
وَالْقَصَادَ وَالْحَدَّ وَدَوَّاعِي مَمَرِ الْكَيْفِ
لَهُمْ بِعِلْمِهِ وَبِرَدِّ دُونَ فِيهِ إِذَا كَلَّمُوا
نَعْمَ انْمَا وَقَعَ إِقَامَةُ الْمُعْجُزِ وَلَهُمْ
التَّوَكُّلُ

اور اسی وجہ سے انبیاء کی شریعتیں مختلف ہیں۔ اور جو
لوگ علم میں خیر کا دین وہ جانتے ہیں کہ شریعت نے
کفر، طلاق، معاملات، آرایش، لباس، قضاء، عیڑا
غیرت، زمین کوئی ایسی بات نہیں پیش کی جسکو وہ لوگ
سوجوہ جانتے ہوں یا کسی جگہ قبول کرنے میں ان کو پسند
ہو، ان پر ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی
اور جو خرابی تھی ربح کر دی گئی

(۵) انبیاء پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اسکے دو حصے ہوتے ہیں ایک وہ عقلی
وسائل جو مذہب کے اصول کہیے ہوتے ہیں، اس حصہ میں تمام شریعتیں متحد ہوتی ہیں۔ مثلاً
خدا کا وجود، توحید، ثواب، عقاب، عبادت، شعار، اللہ کی تعظیم، کفر، وراثت وغیرہ وغیرہ
دوسرے وہ احکام اور سنن، جو خاص خاص انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور انکی بنیاد پر

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً، شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی بنیاد زیادہ تر ان خیالات عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اُس قوم میں موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں

فَلَيْسَ إِلَهُكَ يُعْبَدُ فِي الشِّرَافِ عُلُومٌ مَخْنُوعَةٌ
فِي الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتُ كَوْمَهُ فِيهِمْ عَادَاتُ
تَجَارِيهِهِمْ وَلَيْسَ إِلَهُكَ تَزَكَّى بِمَلَكُوتِهِمْ
وَأَلْبَاهِيَا عَلَى نَبِيِّ إِسْرَائِيلَ دُونَ نَبِيِّ مُغِيلٍ
وَلَيْسَ إِلَهُكَ كَانَ الطَّبِيبُ وَالْحَيِّثُ فِي الْمَطْرَعِ
مَقْصُودًا لِحَالِ عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلَيْسَ إِلَهُكَ مَحْزُومٌ
بَنَاتُ الْأُمَمِ عَلَيْنَا دُونَ الْيَهُودِ
اسی طرح شریعت میں اُن علوم اور اعتقادات و عادات کا لحاظ کیا جاتا ہے جو قوم میں غزون اور جاری و ساری ہوتے ہیں یہی وجہ تھی کہ اوٹ کا گوشت اور دوہنی اسرائیل پر حرام تھا اور بنی اسرائیل پر حرام نہ ہوا اور یہی وجہ کہ کھانویں پاک، اور نبی کی تعزین، عرب کے مذاق پچوں کی گئی، اور یہی وجہ کہ عجمی سے شادی کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے، اور یہود کے یہاں نہیں۔

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تعریضات بیان کی ہیں ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔
اسی بحث میں آگے چکر آگے ہیں

وَأَعْلَمُ أَنَّ كَثِيرًا مِمَّنْ أَلْعَادَاتِ وَالْعُلُومِ
الْكَافِرَةِ يَتَفَوَّقُ فِيهَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ
جاننا چاہئے بہت سے ماسم اور علوم ایسے ہیں جن میں تمام عرب و عجم، اور تمام متدلل ممالک کے رہنے والے اور

وَجَمْعُ سَكَاتِ الْأَخْيَارِ الْمُعْتَبَرِ كَمَا وَاهِلَ الْأَمْرَ بِه
الْقَابِلَةِ لِلْإِعْطَاءِ فِي الْأَمْرِ كَالْمَنْعِ يَنْتَهِي
وَأَسْتَحْبَابُ الرَّغْبِ بِهِ وَكَانَ يَحْيَى بِالْأَخْيَارِ كَالْمَنْعِ
فِيكَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُومِ الْحَقِّ الْأَخْيَارِ
بِالْأَخْيَارِ تَمَرُّعًا هَاعَادَاتِ وَعَقَارًا
تَحْتَصُّ بِالْمَبْعُوتِ عَلَيْهِمْ فَتَعْبَرُ لِلْأَخْيَارِ
تمام وہ لوگ جن میں اخلاقِ فاضلہ کے قبول کرنیکی صلاحیت
ہر سب متفق ہوئے ہیں مثلاً مردہ کا غم کرنا، اور زویہ
رحم کھانا یا مثلاً حسب و نسب پر غر کرنا تو یہ مراسم اور
یہ اصول، سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہیں۔ انکے بعد
وہ مراسم جو حاصل سی قوم میں جاری ہیں ہم پر وہ غیر
بعوت ہوا جو ان مراسم کو بھی غافل کیا جاتا ہو۔

(۶) کسی چیز سے روکنے یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس چیز کے فوائد
نقصان بیان کئے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مردہ کی حاصلی
سبب اس کا مفید یا مضر ہونا ہو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات موجب ثواب یا
عقاب ہے جیسا کہ بعض دعاؤں کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ان کے الفاظ، اہل بدل ہو جائیں
تو دعائیں وہ تاثیر نہ کریں گی۔

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہے لیکن یہ طریقہ عام نہیں ہو سکتا۔
اگر امر مذہبی کا مدار پر رکھا جائے تو ایسا کیسے عامی کو ادا ہو گا اور اہل کے دقات اور باہر کی کیا سمجھائی ہو گی اور یہ
بالکل نامکن ہے کہ علاوہ کسی کام کو کر دیکھنے عام طبائع پر جس قدر اس بات کا اثر پڑتا ہے کہ خدائی اس کا حکم دیا ہے
اور خدا کی تعظیم و خوش ہوتا ہے، اس قدر اس بات کا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز فی نفسہ بھی ہر شخص کو اگر تعزیر ہو
کو بجای، اخلاقی کتابیں جاری کی جائیں جن میں یہ لکھا ہو کہ چوری۔ دیکھتی۔ رہتی۔ بڑی باتیں ہیں اس لئے
انکو بچنا چاہئے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابیں ہر اہم کے لئے نہیں وہ کام ہو گی جو تعزیرات ہند

وے ہی ہے؟ اس بنا پر ایسا افعال کی ترغیب ترمیم کے لئے زیادہ تیرہ ہی دوسرے طریقہ
 اختیار کرتے ہیں یعنی بجائے اسکے کہ اوپر اور نواہی کے وجہ اور اسباب بتائیں۔ وہ ان
 افعال کو بالذات ہی موجب ثواب و عقاب بتاتے ہیں۔ اور ثواب و عقاب کو صرف خدا کی نعمت
 اور ناراضی پر محمول کرتے ہیں۔ وہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے حکم دینے میں عام لوگوں کی یہ نہیں کہتے
 کہ ان ارکان کے ادا کرنے میں یہ یہ فائدے ہیں بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کی نافرمانی ہو جائے
 اور اُن کے ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور دراصل عوام کو کسی چیز کی طرف رغبت کرنا یہ بھی شرط تفسیر
 ہے یہ اصول۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اس تقریر سے ملاحظہ ہو جو انھوں نے جہانگیر آباد میں صفحہ ۱۰۷ میں لکھا ہے شاہ صاحب
 اس اصول کو تمام مسلمہ طوطیوں کے لئے بیان کرتے ہیں وہ دھندلے مسند کے خلاف اہل ان العذاب والثناء علیہم لیسوا علی العذاب
 الذی علیہم والثناء علیہم لیسوا علی العذاب الذی علیہم والثناء علیہم لیسوا علی العذاب الذی علیہم والثناء علیہم لیسوا علی العذاب
 شاہ صاحب کی ذوق لائے۔ یہ کہ جب کوئی شے شریعت میں امور یا مذہبی ہو تو بالذات اسے ثواب و عقاب سے متعلق ہونا چاہیے
 یہ کہ شاہ صاحب نے آگے ملکہ جہان پر بحث کی جو کہ شریعت تمام شے کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہیں اور ان
 اس اصول کو خود شریعت ناسخ کے اصول میں شمار کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں

منہا ان یکفای الناس باقتحام البر ولا تفریز جمع ذالک اور ان اصول میں ایک یہ کہ غیر لوگوں کو کوئی بدی کی خبری صورت
 الزاماً علیہم ولا یجوز لهم داروا جمع الذی یجوز ولا یجوز لهم داروا جمع الذی یجوز ولا یجوز لهم داروا جمع الذی یجوز
 فی شئی من الاشیاء و یجوز علیہم الشیء الذی یمنعہم لا یجوز فی شئی من الاشیاء و یجوز علیہم الشیء الذی یمنعہم لا یجوز
 التفصیل علیہم علامہ کنواریہ و ذالک لان اکثر المکلفین لا یجوز فی شئی من الاشیاء و یجوز علیہم الشیء الذی یمنعہم لا یجوز
 میں فون المصنفین لا یجوز علیہم الشیء الذی یمنعہم لا یجوز فی شئی من الاشیاء و یجوز علیہم الشیء الذی یمنعہم لا یجوز
 بالضرورة و صارت محسوسہ نتیجہ اعلیٰ سقاط بالضرورة و صارت محسوسہ نتیجہ اعلیٰ سقاط
 فلورخص لهم فی ترک شئی منہا و بین ان المقصود بالضرورة و صارت محسوسہ نتیجہ اعلیٰ سقاط
 الا علی غیر تلک الاشیاء توسع لهم مذاہب بالضرورة و صارت محسوسہ نتیجہ اعلیٰ سقاط
 الخوض ولا یختلفوا اختلاف فافهمنا بالضرورة و صارت محسوسہ نتیجہ اعلیٰ سقاط

مذکورہ بالا اصول، تمام انبیاء میں مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت غامض ہوتی ہو
اور تمام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین میں بعض زائد خصوصیات
ہوتی ہیں جو اور انبیاء میں نہیں پائی جاتیں،

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت میں اُس
قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے
لئے مبعوث ہو، اُسکے طریقہ تعلیم میں یہ اصول چل نہیں سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قوموں کے
لئے الگ الگ شریعتیں بنا سکتا ہے نہ تمام قوموں کی عادات اور خصوصیتیں باہم متفق
ہو سکتی ہیں۔ اسلئے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن
اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُس کی
نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت میں اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد
کلیہ اور اصول عام ہوتے ہیں جو قریباً تمام دنیا کی قوموں میں مشترک ہوتے ہیں
تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن حج اکرام
ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں اُن کی پابندی مقصود بالذات نہیں
ہوتی اور نہ اپنے حیدان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ بالہ الخیرین (صفحہ ۱۲۳) میں نہایت
تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وَعَلَيْكُمْ أَلَا تَذَكَّرُونَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ لِّمَا فِي قُلُوبِكُمْ اے اہل علم جو تمام قوموں کو ایک انبیاء پرانا چاہتا ہو۔

إِلَى أَصْحَابِهَا عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ
سَبَّحُ لِلَّهِ الْمَلَأَتْ بِهٖ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا وَنِعْمَ الرَّحْمَنُ الَّذِي هُوَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝۱۱۴

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَنُفِقُونَ ۚ
مُجْرِمُونَ ۚ أَمَّا فِرْعَوْنُ فَلَا كَانَ لَدُنْكَ
اَنْ يَكُونَ مَلَكًا شَرِيفًا ۚ مَا هُوَ إِلَّا لَدُنْكَ
لَا يَهْدِي ۚ لَقَدْ أَلَمْنَا لَخْمَةَ عَرَبِهِمْ
مَاعِدًا ۚ قَوْمٌ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۚ

وَبُرِّحَتْ عَنْ رُّبُّكَ أَعْيُنُ عَصَىٰ
الْأَسْفَلِ ۚ هَٰذَا الَّذِي يَخْلُفُكَ
كَتَبْنَا لَهُ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ
أَوْ إِلَىٰ الْعَصَىٰ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ
الْأَسْفَلِ ۚ هَٰذَا الَّذِي يَخْلُفُكَ
كَتَبْنَا لَهُ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ إِنَّ يَفْعَلُ ۚ

فَلَا تَحْزَنْ ۚ كَآئِمٌ مِّنْ أَمْرِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَنُفِقُونَ ۚ
مُجْرِمُونَ ۚ أَمَّا فِرْعَوْنُ فَلَا كَانَ لَدُنْكَ
اَنْ يَكُونَ مَلَكًا شَرِيفًا ۚ مَا هُوَ إِلَّا لَدُنْكَ
لَا يَهْدِي ۚ لَقَدْ أَلَمْنَا لَخْمَةَ عَرَبِهِمْ
مَاعِدًا ۚ قَوْمٌ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۚ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَنُفِقُونَ ۚ
مُجْرِمُونَ ۚ أَمَّا فِرْعَوْنُ فَلَا كَانَ لَدُنْكَ
اَنْ يَكُونَ مَلَكًا شَرِيفًا ۚ مَا هُوَ إِلَّا لَدُنْكَ
لَا يَهْدِي ۚ لَقَدْ أَلَمْنَا لَخْمَةَ عَرَبِهِمْ
مَاعِدًا ۚ قَوْمٌ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۚ

قَوْمَهُ الْمُبْعُوثِ فِيهِمْ كَالْيَقِينِ عَلَى نَفْسِي عَاطَا كَيْفَ بَعَثَ مِنْ يَدِهِ مَيِّدًا هُوَ أَجْرُ اسْتِثْنَاءِ
 هَكَذَا كَالْفَحْرِ بْنِ الْكَافِرِ يَأْتُونَ بَعْدُ لَسَلَوْنَ بِأَنَّ احْكَامَ كَيْسَتِمْ خِطَابِ كَيْسَتِمْ
 اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی میں چوری رزاق قتل وغیرہ کی جو نذرین
 مقرر کی گئی ہیں ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان
 سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصاً پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔

خرق عادات

بیانات مذکورہ بالا سے اگرچہ ثابت ہو چکا کہ نبوت خرق عادت پر موقوف نہیں، اور
 اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے تعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن خرق عادت
 تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا لہذا میں بھی کچھ
 نہ کچھ اُمّی جمعہ کا وجود ہے اس لئے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے قرآن مجید میں
 اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے
 کہ قرآن مجید میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید
 بلکہ تمام سماوی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا
 نے شہد اشاعرہ کی افراط و تفریط کے وہم پرستی کے درجہ تک پہنچ گئی ہے لیکن انکار
 محض کرنا بھی کچھ کہت و معنی نہیں ہے، ہمارے زمانہ کے لوگوں نے جو تاویل میں کی
 ہیں، ہم اس سے بخوبی واقف ہیں، اسے شہد یہ تاویل میں نئی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے

کافی ہیں جو چارے عربی زبان اور اس کے طرز و اسلوب سے نا آشنا ہیں، مگر ماہر عربیت کے سامنے تبلیغ کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ چونکہ دہم پرست مسلمانوں کا طرف مقابل ہے اس لئے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہو کہ کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات، بہر کس و ناکس سے سرزد ہو سکتے ہیں، اور کُلِّ مَآئِدِ الْکَلْبِ کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہیں قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ میں یہ تقریظ کچھ عجیب انگیز نہیں کہ کوئی واقعہ جو ابناہر خلاف ہو مگر ذوق و عین نہیں آسکتا لیکن ہم کو، افراط و تفریط سے الگ ہو کر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہئے

خرق عادت کے منکرین، کا نام ترستہ لال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ منفع ہی اس دلیل کے دوسرے مقدموں کی کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثبات ہونے کا کیا طریقہ ہے، کیا فطرت کے تمام قوانین منسلط ہو چکے ہیں، کیا امپراطرینان ہو چکا ہے کہ ہر جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت قانون فطرت ہیں، علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑوں ایسے قانون فطرت دریافت کئے جو پہلے ظن معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے، سیکڑوں ہزاروں برس سے فقہار اور جیگنوں کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کر سکتے ہیں، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ

خرق عادت کے
منکرین کا استدلال
اور اس پر بحث

ہو سر مادہ اس سے طاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کر سکے لیکن جب مسمریزم کے تجربوں نے قوت
نفسانی کا اثبات کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج ایک مسمریزم کا مشاق
علیٰ روس الا شہادہ دوسرے شخص کو محض قوت نظر با قوت نفس سے بیہوش کر سکا ہے
اس سے جو بات چاہے کہلواسکتا ہے۔ جو کام چاہے کر سکتا ہے

قدیم عربی کتابوں میں مذکور ہے کہ مہرین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھوٹے
سے جسم پر عرشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک
نہ دے تو عرشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جائے، یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل
قرار دیا گیا لیکن ہجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ ایمن الکترسٹی
ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ جب قدرتی تحقیقات برقی
جاتی ہے نامکن چیزیں ممکن ثابت ہوتی جاتی ہیں۔

فرائس کا مشہور فاضل کلیل فلازمین جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اسی کتاب
اسے جو پیرزمین لکھتا ہے ”انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر شکوک ہوتی ہے
یا جس کو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے“ ہیرڈوٹس
بائین کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھیں کہ ایک عورت کی ران میں بھجائی تھی اور اس سے
وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو نے افسانہ منسی آتی اور ہم استہزاکرے تھے لیکن

لے یونان کا مشہور روح ہے

خود مادہ کے
جسمانی اور
عقلی اسے

سیریں کے علمی کانفرس منعقدہ ۲۵ جون ۱۹۷۴ء میں یہ واقعہ برائے اعین شاہدہ
کیا گیا ۷

”اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مر گیا اور جب اس کی تشییع کی گئی تو کار
پیسٹین میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توہم تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا
تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوئے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے
دیکھا کہ ایک بچہ چین برنس ٹمک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہر وڈوٹس
کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے
ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا، خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی دانشور
میں تسلیم کرنا پاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں ۸
”اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے
کیونکہ جو لوگ بغیر اہمیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کو دال ہیں ۹

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا
منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعات پر جو محسوسات
عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے، اس لئے ہر چاہتے ہیں
کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آراء
اس موقع پر نقل کریں،

لے کل فلہ بیان کی کتابت ۱۹۷۴ء

دنیا میں خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادّہ پرست
 ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہیں اور کچھ اعلیٰ
 ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے روح اور روح کے
 اثرون کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگوں نے بہت سے تجربوں کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ روح
 جسم سے جدا گنا ایک چیز ہے اور اُس کے قویٰ اور ادراکات بالکل الگ ہیں، روح میٹرکون
 کوس سے بغیر جو اس کی واسطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سن سکتی ہے، روح واقعات
 آئندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کو سون تک اپنا اثر پہنچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ
 سے بہت سے اسے افعال سرزد ہو سکتے ہیں جن کو خرق عادات کہا جاتا ہے

اس فرقہ نے اپنے دعویٰ کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگوں کو اس کی تحقیقات
 کی طرف متوجہ ہونا پڑا، علماء دین بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات
 کے لئے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے

سر جان بیک ممبر پارلیمنٹ صدر رُجن

پروفیسر کسلی جو طبیعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ ویل

لومیس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔

الفرد ویلنر جو ڈارون کا معاصر اور سلسلہ ارتقا میں برابر کا شریک تھا۔ ممبر

مارگن مجلس علوم ریاضی کے صدر رُجن

جان کوکس

ان کے سوا وہیت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک مجلس برائے تحقیقات کرتی رہی، اخیر میں مجلس نے جو رپورٹ شریک کی اُسے بعض فقرے یہ ہیں۔

”مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برای لین مشاہدہ کئے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا، مجلس میں چارٹمس ایسے ممبر تھے جو شروع میں اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ کیا تو ان واقعات میں فریب اور شبہ باری سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کی عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور اور واقعی ہیں۔“

اس کے بعد انگلستان اور امریکا میں اس کی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے، مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۹۰۹ء میں اسے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوب نے جو رپورٹ لکھی اسے بعض فقرے یہ ہیں

”جو محکوم امید ہے کہ میں برصغیر کے بعد تمام دنیا کے سارے دلائل قطعیہ سے ثبات اگر دوں گا اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ وہ خرق عادات دیکھے جنکی نسبت کسی طرح شبہ اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔“

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہیں

”دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطمین حاصل ہونے والی ہیں مجھ کو یہ یقین ہے“

دو ہی ایک برس میں۔ میں دنیا کے لئے، انسانی زندگی کے قوانین و عظمت کی نئی تفسیر پیش کر دوں گا۔ اگر پروفیسر ہیزلوب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسے مردوں کی رودادوں سے باتیں کیں تو اسے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس سلسلہ کے متعلق گفتگو کی تو اس نے یہ الفاظ کہے ”میں نے اوپر پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی تھیں وہ دونوں دہریہ تھے، اور کسی شے پر یقین نہیں رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبہ بازیان کرتے ہیں۔ ان کی پردہ دردی کر دی جاوے لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں کہ مردوں سے بات چیت ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق اس سے دلائل ظاہر ہو چکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔“

پروفیسر کوکس جو امپریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر رہے ہیں اسے مجمع عام میں کہا کہ ”میں صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے۔“ پروفیسر کوکس نے خاص اسپیریکولیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ ”چونکہ مجھ کو ان واقعات کا قطعی یقین ہو چکا ہے اس لئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ میں ان کے ظاہر کرنے میں اس بنا پر عجیب و غریب کرکٹ متبعین میری مہربانی اڑاؤں گے۔“

مادیوں میں بہت بڑا فاضل ڈاکٹر طریح سسکٹون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت جھلکیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ

معیانِ روح کی شعبہ بازیوں کا پتہ لگائے، اس طربِ توجہ کی اور پندرہ برس تک اس
 تنگ و دوین رہا، لیکن بالآخر اُس نے یہ الفاظ کہے

”دین نے خاص اپنے نظریں جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا
 بیوکسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگوں سے بات چیت ہوئی وہ
 مرے ہوئے ہمارے عزیز و اقارب تھے۔“

بارکس نے جو مشہور بیاو حبٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ میں لکھا کہ ”دین نے تمام
 وہ کتابیں جو روح کی زمین لگی گئی تھیں پڑھیں اور ان تمام لوگوں سے مناظرے کئے
 لیکن دین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا
 یہاں تک کہ اب میں ان مشاہدات پر، بے علم و درایت گفتگو کر سکتا ہوں

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُس نے یہ شہادت دی کہ میں نے خود
 اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اور اپنے کانوں سے جو سنا اُسے مجھ کو ایسا مطمئن کر دیا ہے
 کہ شک کا احتمال بھی نہیں رہا۔“

سب سے بڑی شہادت اس باب میں رسل و ملت کی ہے، یہ مشہور فاضل
 ڈارون کا شریک اور پہلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد دین یہ برابر کا شریک تھا
 اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائباتِ روح ہے، امین وہ کہتا
 کہ تین شخص دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع تھا، کچھ دیر بھر بھی خیال نہ تھا کہ جن
 روح کا سفر ہو سکون گا، یا اس بات کا قائل ہو سکون گا کہ اس عالم میں مادہ کے

سوا اور بھی کوئی تجربہ کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے ؟

دلیکن عموماً صحت خیر مشاہدات نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ میں ان چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں، اگرچہ ابھی تک میں یہ تسلیم نہیں کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہیں لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال و حجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے در پے تو اثر کرتا تھا جس کا نتیجہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مغفرت تھام

پروفیسر ایسٹ جو امریکا کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر منتخب ہوئے تھے ایک نیکوکار تھے کہ کھانا کھانے پر پسند روز پہلے مجھ کو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجھ کو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ اپنے اعتقاد کو اگر بددیانتی سے چھپاتا ہوں تو میں اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہوں، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھ کر اب میں چپ نہیں رہ سکتا ورنہ میں اخلاقی بُردلی کا ترکیب ہو گا

جرمن کا مشہور ہنریت دان زولسٹر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوئے جنہیں سے بعض کے یہ نام ہیں

دیر

فیشٹر فیکل سائنس کا استاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

ڈکٹر نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلوں نے روح کے عجیب و غریب کثرتوں کا اعتراف کیا ورنہ بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے اعتراف پر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اُس نے

دھوکا کھایا چنانچہ مشہور پروفیسر دن نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر
زولٹر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراقِ علیہ ہے، اس میں اسے نہایت زور و شور سے
اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور اُن کے صحت پر دلائل قائم کئے

۱۹۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اس کے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج نے
جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ اب
وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے
جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ
انتہا نہیں، اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں
کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں۔

۲۲۔ جون ۱۹۹۰ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں پروفیسر دروٹاش نے اپنی
اسٹیج میں کہا کہ بدعرق عادات جو اُس وقت ہم نے مشاہدہ کئے اور جن کے ذکر سے
ان لوگوں کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہیں اور جن کی مباحث
علیہ گفتگو کیا کرتے ہیں، انہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت سے
ہمارے تجربہ میں آرہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے۔

۱۹۹۳ء میں بمقام سیلان ایک بہت بڑی کینی منعقد ہوئی جس کے ممبر حسب ذیل تھے
الگزینڈر گرگز کوٹ۔

جیوفانی۔ سیلان کے رصد خانہ کا سکرٹری۔

کارل دوپل جرمین کا مشہور ڈاکٹر
جیوزوب جیروزا فریکیل سائنس کا پروفیسر
پروفیسر شارل ریشیہ فرانس کے طبی کالج پکیروفیسر
لمبروزو

ان علمائے اعلاہ اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی رپورٹ میں
لکھا کہ جو خوارق عادات سے منہ مشاہدہ کئے ان میں کئی قسم کی شہید بازی یا چالاکی نہیں تھی،
اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ سائل ہلیدین داخل کئے جائیں
اس قسم کی سیکڑوں شہادتیں ہیں جن کو قتل کیا جائے تو ایک نغمہ کتاب طیارہ کی
اسکیم دائرہ المعارف کے فقرہ ذیل پر انکشاف کرتے ہیں

وَلْيَبْذُرُوا فِي مَنَاحِلِ الْعِلْمِ وَيَكُونُوا زُرَّاءَ الْمُتَنَزِّلِينَ
بِالْعُلُومِ وَالْمَنْسَقَةِ وَالْجَلَّةِ وَالْأَلْيَاسَةِ
يَقْتَضُونَ وَجُودَ قُوَّةٍ تَدْرِيكَ شَفْهُ الْعِلْمِ
لَعَنَ مَنَاسِكَ الْأَعْمَالِ أَوَّلَ مَا رَأَى ذُلُومِينَ
الْفُتُوْرُ الْفُتُوْرُ الْفُتُوْرُ الْفُتُوْرُ الْفُتُوْرُ
فَالْأَوَّلُ لَمْ تَكُنْ حَقِيقَةً دَعَى حَبْدِيَّةً
بِالْحَسْبِ وَالْمَنَاسِلِ

جو خوارق عادات، ان تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزاروں

متجاوزین لیکن ان کی بنا پر جو کلیات قائم ہوتے ہیں ان کو کامل فلا مریان نے حسیل
نہا کر کیا ہے۔

(۱) روح جسم سے جدا گانہ ایک وجود متقل رکھتی ہے

(۲) روح میں اس قسم کی خاصیتیں ہیں جو اب تک علوم وجودہ کی رو سے

غیر معلوم تھیں

(۳) روح جو اس کے وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا

اثر ڈال سکتی ہے۔

(۴) روح آئندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے

ان شہادتوں کو ہم روح کے ثبوت میں پیش نہیں کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں

کہ انسان میں ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے

ایسے عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہیں جسکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی حرق عادت

سے تعبیر کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر

ہیں اس بنا پر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہم

پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بلا کسی سبب

اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہیں، اور خواص

یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب میں ہر چیز وابستہ علت ہے اسلئے ان خرق عادات کا

بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے

اسلام میں جو حلق اور عرفان گذرے ہیں مثلاً امام غزالی۔ ابن رشد شاہ ولی اللہ صاحب
 وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تسبیح
 کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہیں۔ امام غزالی نے تمام مجربات کی تین
 قسمیں قرار دی ہیں، حسی۔ خیالی۔ عقلی۔ پہلی قسم کو اشاعہ کے اسماءات کے لئے قائم
 کی ہے۔ باقی دو قسمیں جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہیں وہ بالکل آج کل کی تحقیقات
 کے موافق ہیں، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری میں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہے
 امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے۔

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا، لیکن جو صوفیہ اسکے
 زمانہ میں موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اس کے مشاہدہ میں
 آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ ان کے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا اشارات میں
 خود اس کے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، وہ خرق عادات کے بیان میں لکھتا،
 وَلَكِنَّمَا تَجَا رَبَّ مَا تَنْتَبِذَ كَذِبَ اسْبَابِهَا | لیکن یہ تجربہ میں اوجب ثابت ہو تو ان اسباب کی جستجو ہو
 غَرَابِیْ لَوْ اَقْصَصْتُ حُرَیِّاتِ هَذَا الْبَیِّنَاتِ | اور اگر میں اس قسم کے جزئیات کا شمار کروں جو بنیاد دیکھے
 تَهْدَنِي لَوْ اَدْفَعُهَا حَتَّى تَهْتَدَ تِلْكَ طَائِلُ الْكَلَمِ | یا ان لوگوں کو دیکھے جن کو میں تھکا ہوا ہوں تو بہت طول ہوگا

بوعلی سینا نے مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں، لیکن جس
 اسی نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے اس کی تفصیل اس کے
 بیان کے موافق حسب ذیل ہے

خرق عادات کی
 نسبت بوعلی سینا
 کی رائے

”یہ امر ہر ہر ثابت ہے کہ قیقل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ میٹھے میٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل میں ناگوار خیالات آتے ہیں، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ پسینہ آ جاتا ہے، اس سے اس قدر ثابت ہوا کہ ماؤتین کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ ماڈ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا خیال۔ وہم غیظ غضب۔ مادہ نہیں بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔

جس طرح ان کیفیات سے، انسان خود متاثر ہوتا ہے، بعض انسانوں میں یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتے ہیں، یہ قوت انسانوں میں علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانوں میں اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہیں۔“

”یہ قوت جس شخص میں فطری اور جبلتی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃً مقدس اور پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسہ میں استعمال کرتا ہے، وہ بنی یاونی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃً بدطینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے۔“

امام غزالی، نے معارج القدس میں جہان انبیاء کے مختصات لکھے ہیں لکھتے ہیں
وَلَا يَكُونُ كَلِمَةً وَلَا قَوْلًا وَلَا فِعْلًا وَلَا شَيْءًا إِلَّا وَفِيهِ | اور کچھ بعید زمین کے بعض لوگوں کے قوائے نفسانی

سَاهُوا قَوِيَّ فَعَلَا وَكَانَ مِنَ الْغٰفِيْنَ
 مَحْنٌ حَتّٰى لَا يَخْتَصِرَ فَعْلَهَا فِىْ لَمَّا حَزَّ اَلَّذِىْ نَدِمَ
 لَهَا وَهُوَ بِبَ كَهَا بَلْ اِذَا شَاءَتْ اَخَذَتْ
 فِىْ مَادَّةِ اَلْعَاكِرِ مَا يَنْصَوْنَهَا فِىْ نَفْسِهَا
 ایسے ہون کئی قوت اور تاثیر۔ ہمارے نفوس سے زیادہ
 ہو۔ یہاں تک کہ ان کا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہ ہو بلکہ
 جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہیں مادہ عالم
 پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکیں

بوعلی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے
 بالکل مطابق ہے، اس پر پولیزم والے توصاف اعتراف کرتے ہیں کہ روح ایک مستقل
 جداگانہ چیز ہے اور یہ عوارق عادات اسی کے آثار ہیں، جو لوگ روح کے قائل نہیں ہیں
 ان کو بھی مشاہدات اور تجربات کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان میں کوئی ایسی قوت ہے جس
 وہ عوارق عادات سرزد ہوتے ہیں جو جسم اور مادہ سے سرزد نہیں ہو سکتے
 چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علمائے علوم جدیدہ کی شہادتیں
 اوپر گزری چکیں۔

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہیں کہ محض اس کی بنا پر کسی مذہب کو غلط کہا جاسکے
 البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہیں، اس لئے یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ جب تک
 اس کے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم اس پر اعتبار نہ کریں۔ قرآن مجید چون کہ قطعی
 الثبوت ہے اس لئے امین جہاں خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن
 پہلے یہ امر نہایت غور اور وقت نظر سے طے کیا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے
 الفاظ، اس کے ثبوت پر قطعی الدالہ ہیں یا نہیں۔

مفسرین میں جو محقق گذرے ہیں مثلاً قتال۔ ابو مسلم صفہائی۔ ابو بکر احمد وغیرہ
ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید میں بہت کم خرق عادات مذکور ہیں اور جو وقتی
مذکور ہیں ان کی صحت سے کس کو کار ہو سکتا ہے

ایگزین یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانوں نے خرق
عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے عادات، ذہنی
ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ میں آجاتے ہیں، اور حاشا ہم ان۔ بے امکان
کا دعویٰ نہیں کرتے۔ مدت کے ڈونے ہوئے آدمیوں کو، دریا میں ایک لنگری
پھینک کر زندہ کر دینا خرق عادت نہیں بلکہ محال ہے۔ اور خرق عادت کے جواز
سے ہمارا یہ قصد نہیں کہ اس قسم کی دوا زکار روایتوں کو صحیح تسلیم کیا جائے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

بَقِيَ فِي الْأَرْضِ الْيَوْمَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَحْنُ أَشْكِرُ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرت کا نبی ہونا ایک ایسی مسئلہ رجحان ہے
نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجلاسے ذیل سے مرکب ہے خود کمال ہو،
دوسروں کو کمال کر سکتا ہو، اُس کے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہوں، بلکہ مخائب
اللہ ہوں۔ یہ تمام باتیں جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک میں موجود تھیں کیا ابتدا
پیش سے آج تک اسکی کوئی نظر لیتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جسے آنکھ کھول کر اپنے گرد و پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو جس کے کاؤن مین ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آتی ہو۔ جسے الہیات۔ اخلاق۔ اصول معاشرت، قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعہ نظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفہ اخلاق ترکیبہ روح۔ الہیات معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن۔ کے وہ دقائق و نزاکت بتائے جو کسی حکیم کسی فلسفی کسی متقن کسی پیغمبر نے کبھی نہیں بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم کی قوم میں جو اوقات جہالت و وحشت جو ظلم فسق و فجور رستگاری و خونریزی میں ڈوبی ہوئی تھی یا کثیرہ اخلاقی اور سچائی کی وہ روح چھوٹ گئی تھی کہ دفعہ ان کی کایا پٹ ہو جائے یہ محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟ غور کرو آنحضرت کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی ذمہ مند و اور مصری سیکڑوں خدا یا اوتار مانتے تھے عیسائی شلیٹ کے قال تھے صائین ستارہ پرست تھے مجوسی یزدان اور اہرن دد خدا تسلیم کرتے تھے یہودی تو مید کے قائل تھے گرجس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ بڑھ کر ملکہ بہت سی باتوں میں برابر یا لگٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا آخر نے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جسکے نہایت کثرت سے ترکیبان (یعنی ملائکہ) پتھر بہت سے فرشتے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے وہ اُمتی واقعات

روایات اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد و پیش پہلے ہوتے ہیں انہی سے وہ اول بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس فطرت کے رو سے انحضرت کے دل میں خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں کا تھا، لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد و احد و جس کی ذات اور صفات میں کئی شخص کی کسی قسم کا اشتراک نہیں، جو نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں نہ اوپر نہ نیچے نہ دائیں نہ بائیں نہ زمان میں نہ مکان میں اور پھر ہر جگہ ہر جگہ ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے چوٹی کے پاؤں کی اہٹ کو سون لیتا ہے، ہر ایک دل کے چمچے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ ایسا منظرہ۔ ایسا کامل۔ ایسا بالاتر از انسان خود اپنے خیال سے نہیں پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کر سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی جو کہ انحضرت پر سے لکھے تھے تورات و انجیل سے واقف تھے اور جیسے نام ایک عیسائی جو تعلیم حاصل کی تھی اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت انحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی تورات و انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود ان کا خدا تھا، و فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کا ستیری اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے۔

”ان روایات کا یہ لگانا معنی یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیوں یہودیوں

سے لے کر کتاب نوح زبان میں ہی میرے کہتے ملنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور عربی میں جہاں کہیں کیا

جہاں کہیں پڑا ہو
کافر کے لئے توحید
اور انجیل کی تعلیم
پانا سنی

اور ستارہ پرستوں کے عقائد بالمشافہہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ ایسے
ان مقامات کی تشبیح ہوتی ہے جہاں قرآن اور تورات کی آیتیں ہم مضمون ہیں لیکن بحر
بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گویہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے
ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمدؐ میں یہ مذہبی روح کیوں کر پیدا ہوئی اور وقت
کا ایسا مضبوط اعتقاد کیوں پیدا ہوا جو ان کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا۔

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے ”یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے
سطحاً سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو ان کو اٹھا کر پھینک دیتا
کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وہاں اور مذاق کے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا
محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا منظر ہے اور وہی اس بات
کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر امون تھے۔“

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ عقائد عجبا و ات۔ اخلاق۔ معاشرت
کے متعلق، تنہفرت نے جو اصول اور مسائل، وحی کے ذریعہ سے ملتیں فرمائے
وہ اس قدر کامل اور بالی درجہ کے ہیں کہ کسی حکیم، اور متزن کے خیال میں نہیں آتے
اور بغیر وحی آپبی کے کسی کے خیال میں آبی نہیں سکتے تھے۔

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہئیں یا دوسروں کی

تقلید اور پیروی سے اسلام سے پہلے جو قدر مذاہب تھے سب میں، ان کے دین کے سوا
باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیوں میں یوہنا، یہودیوں میں اجبار پارسیوں
میں وکتور ہندوؤں میں مینوں اور تریوں کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے
مبتلع، کچھ کہہ سکتا تھا نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتا تھا،
اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

لَا تَتَّخِذْ فِي أَخْبَارِهِمْ دُخْبًا وَهُمْ أَكْبَابُ | عیسائیوں اور یہودیوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے اجبار
میں دُخُونِ اللّٰہ (توبہ - آیت ۳۱) اور رہبانوں کو خدا بنا لیا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ، اجبار اور رہبان
کو خدا کہاں کہتے ہیں!!! آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بطریق (بادی) جس چیز کو
حلال کر دیتا ہے، حلال ہو جاتی ہے اور جس چیز کو حرام کر دیتا ہے حرام ہو جاتی ہے۔
اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ | تو کہہ دے کہ تم بنی الوہاب، ایک بات پر جو ہمارے اور تمہارے
بیننا و بینکم قرآن کہ تعبدوا کہ اللہ دگہ
تَنُوبُكُمْ بِمَشَاوَرَةٍ مِّنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ | یہ جو میں اور خدا کے ساتھ کیونکر کرین اور ہم میں
اَزْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰہ (الاعمال - آیت ۲۰) ایک ایک کو انہار نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ میں گونا گونا گویا
مراتب تھے، لیکن عقائد میں کوئی شخص کسی کا متقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی

سقاؤت پر تقلید
کرنا نہ کرے

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،
یہ تو ان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت میں ملتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی
نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ مختلف ناموں سے موسوم
تھے، زندیق، دہریہ، مادیّین وغیرہ وغیرہ

دنیا اس عالمگیر تاریکی میں پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے ان کو تمام غلط خیالات
اور مشققات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان
جہت و اشارہ، ثبوت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مبرا ہے یہ وہ تھیں
و تشریح تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گہن نے کہا کہ جب انسان و مکان، و
جہت و اشارہ، تمام خصوصیتوں کی الگ کر لیا جائے تو خیال کے لئے کیا باقی رہ جائے گی؟
سے شبہ اسلام کو ایسی ہی وسیع انجالی کی بنیاد قائم کرتی تھی جو جسمانی خصوصیات سے
بالکل معزا ہو۔

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا امتیصال کر دیا کیونکہ اسلام
نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی
پیکر اور صورت کے بغیر، دونوں میں نہ آ سکے۔ ہندو و مصری۔ صابی۔ رومن کی تہلک
سب خدا کے تصور کے لئے جسمانی تشل کے محتاج تھے اور ایسا جو جسے بت پرستی
میں مبتلا تھے لیکن اسلام میں باجوہ دیگر دونوں جہتوں و فرقوں کے پیدا ہو جانے کے بعد
کسی فرقہ کو تہلک بت پرستی کا بھی خیال نہ آ سکا، آج دنیا میں ہندو و عیسائی۔ پارسی وغیرہ

نہجہ ظاہر و نور
ہنرمند کی بت پرستی
استیصال

جس قدر شوخی اور بلند خیال ہوتے جاتے ہیں، توحید فاضل کے قریب آتے جلتے ہیں، علم و فن اور خیالات کی وسعت جس قدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال مٹا جاتا ہے،

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقوں نے درمیانی واسطے قائم کئے تھے اور اوتار، ون، دیوتاؤں، پیروں، کا سہارا ڈھونڈتے تھے، اسلام کے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہیں، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سبھی سفارش، توسط اور شفاعت سے بندہ آسے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اُس تک پہنچ سکتا ہے

لَعَنَ الْقَوْمَ اَکْثَرُ مِنْ جَبَلٍ اَوْ دِيْبٍ | ہم سبائی لگ گروں سے بھی زیادہ؛ لے کر قریب ہیں

نبوت

توحید کے بعد نبوت کا درجہ ہے، اُس کے متعلق تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیاء انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں، یہی خیال تھا، جس سے رام کرشن، زردشت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مین خدا، یا کم از کم ظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور سے نہایت آزادی نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ انبیاء بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہیں ہیں

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلٰی | اور محمدؐ کبہ ذکر کرتے ہیں جیسا آدمی ہوں بھیج دیا آئی ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً وَرَحْمَةً

وَلَقَدْ يَنْشَرُونَ أَن يَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عُنْدِي خَزَائِنُ

الْبَدْهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ

أَنِّي مَلَكٌ إِنَّمَا اتَّبَعْتُ مَا يَوْحَىٰ إِلَيَّ

قُلْ كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ فَسَتَكُونُوا

مِنَ الْخَيْرِ

کہ تمہارا خدا واحد ہے

عسی کو اس بات سے مایوس نہ ہوں کہ وہ خدا کے غلام ہیں۔

اور محمد اکبر و کین نہیں کہتا کہ میرے پاس اس کے خزانے

ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ

میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی

کا پیرو ہوں جو مجھ پر آتی ہے۔

اور محمد اکبر و کین غیب کی باتیں کہتا ہے کہ عبادتِ خدا کر لیتا

دنیا میں جتنے مذہب گزرے ہیں سب نے خدا کی اور نبوت کے دائرے

ملا دیے تھے یا کم سے کم قریب کر دیے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہو کر رہی

دونوں کی حد بالکل جدا کر دی۔

خوب خور کرو ہم مسلمان، آنحضرت کو تمام انبیاء سے بزرگ اور افضل مانتے ہیں

باوجود اس کے حضرت ابراہیمؑ، خلیلؑ، احمدؑ، حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ، حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ

کہتے ہیں اور آنحضرت کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ صرف اس اعتبار

نہیں بلکہ نمازوں میں جب شہادتین ادا کرتے ہیں تو رسالت کے اور اس پر پہلے عباد کا لفظ

کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ یعنی ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد خدا کے بندے ہیں،

اور پھر رسول ہیں“۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ خدا کی توحید مکمل یہی ہے کہ اس کے آگے کوئی

شخص گو وہ کبھی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑے نہ پائے، چونکہ آنحضرت کو

خالص توحید و لون میں جانفشانی کرتی تھی، اس لئے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لئے عرف
عبدیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے۔

سزا دینا

معاذ اور عذابِ ثواب۔ سزا و جزا کے تعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہے
کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا تو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے اور چونکہ دنیا
دارِ لعل ہے اس لئے یہاں تو انسان کو سزا نہیں ملتی، لیکن جب قیامت میں خدا ہندو حکومت
پر شکن ہوگا، تو تمام معاملات اس کے حضور میں پیش ہوں گے اور خدا حسبِ مرتبہ لوگوں کو ان کی نافرمانیوں
کی سزا دیگا، اس طرح جن لوگوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے ان کو صلے اور انعامات ملینگے
یہ خیال عام طلبہ کے بالکل مناسب ہوا، عام لوگوں کو نیکی کی طرف مائل کرنے
اور برائی سے روکنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طرز نہیں ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کے لئے
ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالمِ حیاتیات میں اسباب و علل اثر اور موقوفہ کا
سلسلہ ہے مثلاً ٹکلیا قاتل ہے گلاب محرک نرگس ہے، الماس سہل ہے، اسی طرح ہی سلسلہ
روحانیات میں بھی قائم ہے، نیک و بد، بقدر افعال ہیں ان کا نیک یا بد اثر روح پر بہتر
ہوتا ہے، اچھے کاموں سے روح کو انبساط ہوتا ہے، برے افعال سے انقباض، آگ و دھواں،
اور بجائات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ فرض
کر دو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چُرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی معاف بھی کر دی تو
چوری کرنے سے اس شخص کی عزت پر جو دنغ آیا وہ کسی حالت میں ناپا نہیں ہو سکتا، غرض اچھے

اما جہان گناہوں کے ارتکاب سے روح کو وہی صدر صفا و رغاب ہوتا،

ملاحظہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا ہتھکڑیاں؟
وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو یا بچو بچے کا اندیشہ ہوا اور خدا اس سے
بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور میں پڑ جائے یا نماز و روزہ نہ پائے تو اس سے خدا کا
کیا بگڑتا ہے، اس صورت میں انتقام لینا سے فائدہ ہے،

ملاحظہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی
حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو احکام کی نافرمانی
سے سخت طیش اور ظلم ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائیں دیتے ہیں۔ اسلئے
اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہوں سے ناراض ہوتا ہے، ہاؤ
قیامت میں گناہگاروں کو دوزخ میں عذاب گونا گون دے گا، لیکن عذاب و ثواب کی جو
حقیقت ہم نے بیان کی، اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحظہ کا اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے،
اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کی وہی سیرا یہ اختیار کیا جو
تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لئے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب
میں اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحتہ اور کائنات ظاہر
کی اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اہل مذاہب سے ممتاز کرتی ہے
تمام دیگر مذاہب میں صرف عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود،
بانیان مذہب نے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہیں قرار دیتے تھے بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آیا جس میں عالم
وجاہل، احمق و دانا، عارف و عامی، زاہد و ضوئی، ظاہر پرست اور عکیم، سب داخل تھے
عذاب و ثواب، اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید میں جا بجا اشارے بلکہ

تفسیرات پائی جاتی ہیں

كَلَّا لَوْ تَقَامُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ | ان اگر تم کو علم یقین ہو تا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جواہر القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

آيَةُ الْجَحِيمِ فِي بَاطِنِكُمْ | یعنی دوزخ خود تمہارے اندر موجود ہے

ایک اور مقام پر ہے

وَنَسِيتَ الْجَحِيمَ وَلَكَ بِالْعَذَابِ وَكَلَاتٌ | کفار تمہارے کہتے ہیں کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ
جہنم کو محیطہ بنائے کافروں نے۔ | نے کافروں کو ہر طرف سے گھرایا ہے

امام غزالی اس آیت کے تعلق جواہر القرآن میں لکھتے ہیں

وَلَمْ يَقُلْ لَهَا اسْحَبِي طَبْلًا قَالَتْ هِيَ مَحْطَةٌ | خدا نے یہ کہیں کہ دوزخ نیزہ محیطا ہو گی بلکہ یہ کہا کہ یہی ہر وقت میرا

ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے

لَنَّاَعْتَدَنَّ لِلظَّالِمِينَ نَارًا احاطةً بغيرهم | ہمہ ظالموں کے لئے ایسی آگ مہیا کر رکھی جس کے

سماں ادھکا | بدوون نے ظالموں کو گھیر لیا ہے

امام غزالی اس کے تعلق لکھتے ہیں

وَلَمْ يَقُلْ مَحْطَةٌ بغيرهم | ظالم نہیں کہا لائنہ و گھیر لی (بلکہ یہ کہا کہ اس وقت گھیر لیا ہے)

امام صاحب ان آیات کی تفسیر لکھ کر لکھتے ہیں

وَإِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ لَكُمْ فَاسِدًا كَذِبًا فَلَيْسَ لَكُمْ
نَصِيبٌ مِّنَ الْعُرَاقِ إِلَّا فِي قَتْلِهِمْ كَمَا لَيْسَ
لِلْمُجْرِمِ نَصِيبٌ مِّنَ الْعُرَاقِ إِلَّا فِي قَتْلِهِ
تو اگر تم یہ علم رکھو کہ تم کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن اور
صرف اُس کا چھلکا ہاتھ آیا جو جس طرح بہانہ گو کہو جن میں
سے صرف یہی ہوتا تھا آتی ہے۔

عبادت

اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوئی ہیں تمام مذاہب نے
اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیاں
سب سے بڑی غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہیں کہ عبادت خود ایک مقصود
بالذات چیز ہے اور اس کا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اُسی مثال یہ ہے کہ
مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفا شناسی اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور
اس بنابر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤں کھڑا رہے۔ اس سے بادشاہ کا کوئی نفع ہوا
نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح جو نمازین پڑھتے
ہیں روزے رکھتے ہیں حج کرتے ہیں، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے
حکم دیا۔ ہم یہی لائے جبکہ رہتے ہیں اٹھاتے ہیں اسی قدر رضا خوش ہوتا ہے۔ عہدینوں کو
چھوڑ دینا، ایک پاؤں پر رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا میں حلق رکھ کر خشک کر دینا،
جاڑوں میں برہنہ آسمان کے نیچے سونا چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا شادی نہ کرنا،
تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت میں بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتیں ہندوؤں، عیسائیوں، اور
دیگر مذاہب میں پائی جاتی ہیں، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے۔

مسئلہ عبادت کے
متعلق تاویلات
مذاہب کی غلطیاں

اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک لزبت آئی بہت سے لوگ
خود اپنے آپ کو بلی چڑھا دیتے تھے، ان سے گمٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،
حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو خیال یا خیالات آسکتے ہیں وہ صرف
دہی ہوتے ہیں جو گرد و پیش کی چیزوں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ انسان کبھی ایسی چیز کا
خیال نہیں کر سکتا جو اس کے حواس سے بالاتر ہو، اُسے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، اُنہی کو بڑھا کر
گھٹا کر، بگاڑ کر یا ترقی دے کر مظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہیں کر سکتا،
انسان کے دل میں جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہِ مطلق کی حیثیت سے آیا،
تو ضرور تھا کہ اُس کے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن میں آئیں، انسان
نے شاہوں، اور شاہنشاہوں کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا یہی تھا کہ وہ اطہارِ اطاعت سے
خوش ہوتے ہیں، جان نثاری، ادب، عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہیں، اور
جو شخص جس قدر زیادہ ان خدمات کو بجالاتا ہے وہ انعامِ سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہے
انہی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، اپنا پنجہ ہر مذہب
میں عبادت کے جس قدر اقسام ہیں سب میں انہی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے یہی
بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ماسدہ کہتے ہیں کہ مذہبی خیالات، خود انسان
اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لے، ہن، یورپ میں حکماء نے
جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کئے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی
چنانچہ انہوں نے اس کے لئے یہ اصول قرار دئے

(۱) انسان کے جس قدر فرائض زندگی میں پھلا کتب محاش پرورش اولاد و محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات میں شمار کیا جائے

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دئے جائیں، بلکہ غرض یہ ہو کہ پیر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو

(۳) اعتدال کی حد سے تجاوز نہ ہوں

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہیں عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو اس زمانہ ترقی میں یورپ نے دریافت کئے جب کہ نظریہ

راز ماسے سرستہ کا تسلیم کر لیا۔ لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتا دیئے تھے، سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندوں کی عبادت کی کچھ پروا نہیں

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَسِيمٌ
جو شخص محنت اٹھاتا ہے تو اپنے لئے اٹھاتا ہے خدا
تمام عالم سے لے لیا رہے

پھر کلی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہنچتا ہے، اور خدا نے جو عبادتیں حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا ذَلَّ نَفْسِهِ ۖ وَكَانَ اسَاؤُهُ قَلِيلًا ۖ وَكَانَ خَيْرًا لِّغُلَامٍ مِّنْكَ
جو شخص بھلا کرتا ہو اپنے لئے کتنا برا اور جہ برا کرتا ہو تو اپنے لئے
خدا نے یہی چاہا کہ دین میں تمہارے اور کچھ دقت پیدا
کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ گواہ کرے اور تیرے پرستی تمام کرے

لے پروفیسر ذول میان (تعلیق صفحہ ۳۰)

پھر عبادت میں سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کئے

نماز کی نسبت کہا

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْفِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ | نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ | غائبانہ تم پر پھینکا کر رہو جاؤ گے

حج کی نسبت فرمایا

لِتَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج) | تاکہ اس کے اپنے فائدہ کی جگہ آئیں

زکوٰۃ کے فوائد بیان نہیں

ان باتوں کے ساتھ تمام عبادات میں اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ

کرنے پائیں اور ان کے ادائیں کسی قسم کی دقت اور دشواری پیش آئے

يُفِيدُ اللَّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ كَلِمَةً لَكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ | خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعْجِلَ عَلَيْكُمْ غَلَبَةً فِي دِينِكُمْ مِنْ حَرَجٍ | خدا نہیں چاہتا کہ مذہب میں تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ | خدا چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر دے

لَا يَكْرِهُ اللَّهُ تَفْسِيرَ آيَاتِهِ وَسُجُودَ | خدا کسی کو ایسی سکت سے زیادہ تخفیف نہیں دیتا

الن سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیں اور ان کو ادا اور بجا لائی کر لیں

تجارت کے متعلق فرمایا

فَإِنَّتُمْ تَرَادُّوا فِي الْأَمْوَالِ بَعْضُكُمْ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ | دنیا میں میل جلاؤ اور خدا کے عطیہ و رزق کو محسوس رہو۔

اور حکام کی کے مان نہیں مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ اہم اور وحی تھا ورنہ کیوں ممکن تھا کہ بن نکتوں تک بڑے بڑے حکام کی بھی رسائی نہ ہو سکی، وہ ریگستان عرب کے ایک رقبے کی زبان سے ظاہر ہوتے

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہو جہاں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا میں یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خود کشی کو ناجائز و برہمن خیال کیا جاتا تھا یونان کے بڑے بڑے حکام خود کشی کو جائز سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہ ان کے بعض نامور حکمانے اپنے تئیں آپ ہلاک کر لیا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اس بنا پر خود کشی کی ممانعت کی
 ذَلَّالْتُمْ أَنْفُسَكُمْ - اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اسلئے جس قسم کا اختیار اس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت بھی خیال کرتا ہے، اسی بنا پر مختلف شکلوں میں قتل اولاد کی بنیاد قائم ہو گئی تھی، ہندوستان اور کچھ مینین تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی اولاد کو بھون اور دیویوں پر بندہ چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب میں نہایت کثرت سے دھڑکشی جاری تھی، پائتا اور روس میں بصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور فلاطون میں مسموم کرنا

خود کشی کی نکتہ

اسلام میں خود کشی کو حرام و ناجائز

تمام دنیا میں قتل اولاد کی نکتہ میں تاریخ اور جائز تھا

اس بات کو جائز نہ کہتے تھے، کہ ضعیف اولاد صنایع کر دی جائے، اس طرحی رائے تھی کہ منگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہیں، اسپر تالین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ لکچس بہا پر سے انکو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قوموں میں اس قسم کا رواج پایا جاتا۔ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جو ر و ظلم کو مٹایا

لَا تَقْتُلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا قَتْلًا مُبَرَّكًا
اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

ذٰلِكَ اَنَّكَ دَرَيْتَ لَكِنَّ يَوْمَ يَخْرُجُ فِي الْغَيْبِ كَيْفَ اُنْزِلَ
اور اسی طرح اُن کے شر کو اُن نے، اولاد کے قتل نہ کرنا
بِقَوْلِ اَدْلَا دِهِمْ سَرَّكَ اَوْ هُمْ اُنْزِلَ
اُن کی نظر میں اچھا دکھلایا

عورتوں کے حقوق۔ عورت جو انواع انسانی کا نصف حصہ ہے، اُس کے حقوق کی

نسبت دنیا کے مختلف حصوں میں سیکڑوں ہزاروں قانون بنے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت تک اس فرقہ نے اپنی حقوق کی دو ادنی پائی جب تک اسلام دنیا پر سایہ افکن نہ ہوا، دنیا کے مختلف ممالک کو، فطرت نے خاص خاص خصوصیتوں میں ممتاز پیدا کیا تھا

ان میں رو سن کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ۔ اٹلی کی مصوری،

ایران کی نفاست پسندی شہرت عام رکھتی تھی۔ اسی طرح رو سن کا قانون، تمام دنیا

میں، اعلیٰ اور فضل تسلیم کیا جاتا تھا۔ رو سن کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین

کا ننگ بنیاد ہیں، اس اعلیٰ ترین قانون میں عورتوں کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے

عورت شادی کے بعد، شوہر کی زرخیزید جایدا دہو جاتی تھی، اسکا تمام مال دستی غنیمت و شوہر کی

اسلام نے قتل
اولاد کو مٹایا

ملک ہو جاتا تھا۔ وہ جو کچھ زرو مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا ملک ہو جاتا تھا، وہ کوئی عہدہ نہیں پاسکتی تھی، وہ کسی کی خاص نہیں ہو سکتی تھی، وہ ادا سے شہادت کے قابل نہ تھی وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی یہاں تک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہیں کر سکتی تھی رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحیں ہوئیں لیکن وہ اصلاحیں محض وقتی یقین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پرانے اصول قائم ہو جاتے تھے شہر میں ایک بہت بڑا جلسہ یورپ میں اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہیں جلسے نے بڑی فیاضی سے کام لیا کہ اس قدر تسلیم کیا کہ عورت، نوع آدم میں داخل ہے اور اس لئے ذی روح بھی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے۔

رومن

انگلستان میں ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی تمام جائیداد شوہر کی ملک ہو جاتی تھی، اور وہ اس کو جس طرح چاہتا صرف کر سکتا تھا، تیس برس سے کم ہوئے کہ دو سو ایکٹ بنائے گئے ان قوانین میں اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بدعات لیاں اب تک قائم ہیں،

یہودیوں کے ان نکاح و حقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔

لے بٹانیکا اس ایکٹ کو پڑیا۔ (نفاذ و من) عورت

ہندوؤں نے ہان بیہندہ روتوں کے سے قواعد تھے یہی اُس کی جائداد، شوہر کو
لجائی تھی وہ کسی قسم کی خود مختار اندام و معاملہ کی مجاز نہ تھی، بیوی رٹکی، مان وغیرہ کو
میراث کا کوئی حصہ (بجز خرد پوش کے) نہیں ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہ ان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا سطلقاً کوئی
حصہ نہیں پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اُنکی بیوی ان، بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں، اور وہ اُن کو اپنی
بیویاں بنالیتا تھا، کلح کے چار طریقے تھے، جن میں سے تین طریقے حسب ذیل تھے
دو شخص اپنی بیویوں کو مدت معین کے لئے آپس میں بدل لیتے تھے، چنڈ آدمی ایک
عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے، اور دوسرے دوسرے دن وہ عورت نہیں
کسی کے پاس کہلائے جیتی تھی کہ تم سے ملکر مل رہا گیا ہے۔ پھر وہ اُس کی اولاد قرار پاتی تھی۔
چنڈ آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم جہت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو
قیافہ شناس فیصلہ کرتا تھا کہ فلاں شخص کا نطفہ ہے یا پنجہ وہ اُس کی اولاد قرار پاتا تھا۔
کلح کی یہ تین صورتیں صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہیں۔

اب دیکھو، قرآن مجید نے عورتوں کے حق میں کیا کیا؟ لیکن اسکے بتانے کے
قبل اس امر کو ناظر رہے، کہ یورپ کے اکثر مصلحین کا دعویٰ ہے کہ در اسلام میں ہم قدر
احکام و وسائل ہیں وہ ب دوسرے مذاہب کی نقل ہیں، شرع اسلام نے اپنی طرف سے
خود کوئی نیا سلاخ اضافہ نہیں کیا، عورتوں کے متعلق عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں کے
ہاں جو قواعد تھے وہ تم بڑھ چکے، اب خیال کرو کہ اسلام نے انکی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کئے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہیں پہنچا تھا،
 سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد میں کس قسم کا فطری تعلق ہے، اور
 یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم اور مرد کی راحت و تسلی ہے

وَحَقِّ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا | اور تمہارے لئے خود تمہاری عورتیں ہیں جن سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم
 لَكُمْ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (س دم) | ان کے پاس لڑکے اور عورتیں دونوں ہر محبت اور پیار پیدا کیا
 پھر مختلف پیرایوں میں یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہیں، دونوں ایک دوسرے
 کے محتاج الیہ ہیں، دونوں کے تعلقات۔ دونوں کی حیثیت۔ دونوں کے حقوق
 برابر درجہ کے ہیں

بَعْثْنَا لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ زُجَرَ لَّتَكُنَّ لَكُمْ فَاكِهَاتٍ (تہا) | عورتیں تمہارا لباس ہیں اور ہم انکا
 لَكُمْ نِسَاءً مِّمَّنْ أَنْفُسُكُمْ فَانكحوا (نساء) | عورتوں پر مردوں کی جنسوں میں انہی قسم کے حقوق مردوں پر
 قربت کے تعلقات کے جو علاج ہیں، ان میں مرد و عورت، ایک درجہ پر ہیں مثلاً
 مان۔ باپ۔ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور بھوپتی کا یکساں مرتبہ
 ہے، قرآن مجید میں باپ مان کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ | اور مان باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونوں میں سے
 الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ | بڑھا ہو جائے تو تیرے لئے ان کو اور نہ ڈانٹتا۔ اور اُن سے
 الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ | ادب کی بات کر۔ اور ان کے آگے پیار سے عاجزی
 جَاءَ اللَّهُ لِيُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ | کے کندھے کا اور کہہ کر اسے خدا ان پر رست کر

جس طرح دونوں نے مجھ کو چین میں پایا

کَمَا دَبَّيْنِي صَغِيرًا

مان کے حقوق کو زور دیکر بیان کیا

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) | اِن نے اس کو بیٹ میں تکلیف کیساتھ رکھا اور تکلیف سے بنا

رومیون اور ہندوؤں کے اس قانون کے مقابلے میں کہ عورت کا مال و متاع سب شوہر

کا ہو جاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا

لِلرِّجَالِ يَصِيبُ مِمَّا السَّبْكُ وَالْمَاءُ يَصِيبُ مِمَّا السَّبْكُ | مرد و کائین وہ انہی، اور عورتیں جو کائین وہ انہی

ہندوؤں میں، اور خود عرب جاہلیت میں عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی اس کے

مستطابہ میں یہ کہا۔

لِزَّجَالٍ يَصِيبُكَ مَا تَرْكُوهُ لَدُنْ وَلَدَيْنَا وَفِي آخِرِ مَا نَكُونُ

وَلِلنِّسَاءِ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدُ وَالْأَقْرَبُونَ

اور (اسی طرح) باپان ورنہ شدہ وار ورنہ ورنہ بن عورتوں کے حلقہ

دختر کشی کے رسم کو ان فطون سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک،

مسلمانوں میں ایک واقعہ بھی وجود میں نہ آیا۔

وَإِذَا مَلَأُوا وَدَّهَ سَعِيكَ بِأَيِّ شَيْءٍ | اور جب کہ مودہ (نذہ) دفن کی ہوئی ٹھکی سے قیامت

مین سوال ہو گا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

قُنْتُ

جاہلیت میں دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اسکے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے

نکاح کر لیتے تھے، یا اس کو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول

لے لیتے تھے بٹناوی کی اجازت دیتے تھے ان رسموں کو یکسر مٹا دیا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ نِكَاحُ الْيَتَامَىٰ كَمَا كَانَ
تَعْمَلُ هُنَّ لَكَ هَبُوا بَعْضَ مَا يَتَّبِعُونَ

مھر جو بڑی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا اس کے بجائے یہ کہا

وَاقُولِ الْيَتَامَىٰ صَدَقَاتُكُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (نساء) | اور دو عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت میں عورتوں کے ساتھ جس لطف محبت و یگانگیت، مساوات

کے ساتھ پیش آنا چاہئے اس کو ان جملہ الفاظ میں ادا کیا

وَمَا يَرْجُوا هُنَّ يَلْعَنُوهَا | اور معاشرت کرو عورتوں سے بڑے معتدل

زن و شوہر کے تعلقات میں سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کے نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قوموں نے اس کے متعلق مختلف پہلو اختیار

کئے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے،

یہ طعنان قائم ہیں عیسائیوں میں اس قدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت میں طلاق ہو ہی

نہیں سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ میں جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے اس مسئلہ کی صبر

سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پریشانی و اعتراضات پیش آتے رہتے ہیں، سیکڑوں

زن و شوہر جن میں حد درجہ کی سونہراچی اور نا اتفاقی ہے، ناموافقیت نے دونوں کا

میش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، اند و اج کے جو فوائد اور مقاصد ہیں وہ

بالکل معدوم ہیں، سالہا سال اسی کوفت میں بسر ہوتے ہیں لیکن اس صیبت و چھوٹی

صرف یہ تدبیر ہے کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور ایمان سلطنت
عالتوں میں اپنی بیویوں کی زنا کاری کا دعویٰ کرتے ہیں اور سیکڑوں ہزاروں آدمیوں
مجمع میں اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہیں، مدتوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے
اور اس کے تعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہیں، وہ ہر قسم کی ضغیتی - رسوائی -
نے شرمی اور نہ حیائی کا انبار ہوتے ہیں لیکن یہ سب اس لئے گوارا کرنا پڑتا ہے
کہ ان جیاتیوں کے بغیر عورت کے بچہ سے رہائی نہیں ہو سکتی - ہندو قانون بھی اس
باب میں میسایوں ہی کے مشابہ ہے

دوسری طرف یہودی میں جن کے ہاں بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے
کھانے میں نمک تیز بوجاے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو
نئے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے اب دیکھو، ہلاک ہونے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا
قرآن مجید نے پہلے مختلف پیرایوں میں یہ یقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق، نفس پرستی
اور رفع شہوت کے لئے نہیں ہے بلکہ حسن معاشرت اور پائدار رابطہ و الفت کیلئے ہے

قیدین رہے کو رہتی لگانے کو

مُحْصِنَاتٍ هِيَ مَسَافِحَاتٍ

اور تمہاری جن جو تمہارے لئے بیویاں ہیں لیکن تکم تکم بیاہ

وَحَلَّتْ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ زَوَاجًا لَتَسْكُنُوا

لَا يَهَاوِي جَلْبَنِيكُمْ مُؤَدَّةً دَرَسَمَةً اُنے اور تم دونوں میں پیارا اور محبت پید کی

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت

میں اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو قتل اور صبر سے کام لینا چاہئے

وَأَن يَكْفُرُوا بِمَا لَدَيْكُمْ وَأَن يَتَّبِعُوا مَا يَكْفُرُونَ بِهِ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ
 تو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو یہ دوست جاؤ کہ تو ایک چیز ناپسند ہو اور

وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ حَيْثُ كَانَ الْقَرْبُ (النساء)
 خدا اس میں بہت کچھ جگہائی پیدا کرے

یہی یقین عورت کو بھی کی

وَأَن يَكْفُرُوا بِمَا لَدَيْكُمْ وَأَن يَتَّبِعُوا مَا يَكْفُرُونَ بِهِ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ
 اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ ناپسند ہو اور

وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ حَيْثُ كَانَ الْقَرْبُ (النساء)
 ہو تو اس میں کچھ جگہائی پیدا کرے

یہ عورت کی بددعویٰ اور بد مزاجی کے رفع کرنے کی تدبیر بتا رہی ہے کہ بد مزاجی کو ہمیشہ

برداشت کرتے رہنا حقیقت میں تکلیف والا ایطاف ہے

وَأَن يَكْفُرُوا بِمَا لَدَيْكُمْ وَأَن يَتَّبِعُوا مَا يَكْفُرُونَ بِهِ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ
 اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تکوین ہو تو ان کو نصیحت کرو

وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ حَيْثُ كَانَ الْقَرْبُ (النساء)
 اور ان کو جو روئے کی جوابدہ ہیں اور ان کو مار دو (یعنی غلطی پر) پھر

فَلَا تَتَّبِعُوا عَلَيْهِمْ سَبِيلًا
 وہ اگر کہاں ہیں تو ان کے خلاف جیل نہ ڈھونڈو۔

اس پر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں قبل اس کے کہ وہ مرد اور عورت کوئی فیصلہ

کریں، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ میں مداخلت کرنی چاہئے کیونکہ اس قسم کے

مداخلت میں، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں، ہر شخص مجبوراً قومی کا ایک

جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لئے یہ ایک اور قوم

کو اس میں مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا

وَأَن يَكْفُرُوا بِمَا لَدَيْكُمْ وَأَن يَتَّبِعُوا مَا يَكْفُرُونَ بِهِ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ
 اور اگر تکوین ہو کہ یہ میں ناراضی ہو جائیگی تو ایک بیچ مرد کے

مکمل ہے۔ اور ایک عورت کے گھرانے سے متعلقہ

یہ تہذیب بھی اگر کارگر نہ ہوگی اور مرد نے قطعی ارادہ کر لیا کہ طلاق دے گا تو اس ناگزیر صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی لیکن اس کے ساتھ کس قدر مختلف باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے میں بتدریج طلاق دی جائے۔ یعنی ہر مہینہ میں ایک طلاق، (اصطلاح میں اس فاصلہ کو عدت کہتے ہیں) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا میں سوچ سمجھ کر مرد اپنی رائے سے باز آجائے۔ اس کے ساتھ پھر فرمایا

وَلْيُعْوَذْهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكِ | اور اُن کے خاوندوں کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لیں، اگر چاہیں صلح کرنی

پھر یہ قیادہ مقرر کیا کہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ | پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کے لیے کبھی نہ ہوگی جب تک کہ وہ رائج نہ کرے اور شوہر نفل بھی اس کو طلاق دے

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر میں نے طلاق دیدی اور آئندہ چل کر میری طبیعت انا قاپھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اُس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف میں رہ کر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عدا کو کون گوارا کرے گا؟ عقیق کندہ نام درگچہ کا رتید

اس کے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خائفی معاملہ نہیں، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح میں آنا عارضیال کیلئے تھا۔ ان باتوں کی اس طرح اصلاح کی۔

اور ان کو اس غرض پر روک کر کہو کہ بظلم کرو۔ اور جو شخص
يَعْلَمُ دَاِلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقولہ)

خَاِدَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ قَبْلَ اَنْ يَكُنَّ حَلَالًا
لَعَنَ مَوْحِدٌ زَوْجَهُنَّ (بقولہ)

اگر طلاق عورت کو حلال ہے، تو عیب منے کے دو برس بعد تک، مرد کو اس کا کھانا پکرا دینا پڑے گا
وَاَوَّلِدَا تِ رِضْعًا اَكَلَا دِهْنًا حَوْلًا كَالْمِلْحِ

لَنْ اَرَا حَا نَ تَيْمَ اَرَضَاعَهُ وَهِيَ اَلْمَوْحِلَةُ
رِضْعًا وَكَيْفَ يُمْسِكُ بِاَلْمَعْرُوفِ (بقولہ)

اگر بچہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بعد اکریشہ باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے
تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا اس لئے مختلف تدبیروں سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے
تھے، اس کے لئے فرمایا۔

وَاِنْ اَرَدْتُمْ اِسْتِئْذَانَ زَوْجِكُمْ مَكَانَ
زَوْجِهِمْ وَاتَمَّ احْدَهُنَّ وَقَطَاعًا فَاَنْتُمْ لَكُمْ

مِنْهُ شَيْءٌ - اَنْتُمْ تَخَذُوْنَ مِنْهُنَّ مَهْرًا
وَاِنْ تَمَّ مَيْتًا وَكَيْفَ تَخَذُوْنَ مِنْهُ

اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھو کر دوسری بیوی کرنی، اور
اور دوسرے بچہ کی کو بیوی پہلی بیوی کو خزانہ، تو اب اسے
کچھ واپس نہ لو، کیاتم پنا پاس ہے ہوا حق اور مرنے کا گناہ
اور کیوں کر لے سکتے ہو، حالانکہ ایک دوسرے کی بیوی چھو کر

وَكَلَّ الْأَقْرَبُ الْأَجْعَلُ كَمَّا كَانَ الْبَعْضُ - | زنا شہابی کے تعلقات و تواریخ میں آچکے

ان تمام احکام کا چھل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریوں سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت میں بتدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت میں عورت کو کافی موقع ملے گا کہ اپنے لئے نیا شوہر ڈھونڈے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حل، اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ ہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو نگہدستی کے ہاتھوں تکلف نہ اٹھانی پڑیگی

کیا اس سے زیادہ کوئی حکیم، اور کوئی فقیہ، عورتوں کے لئے عمدہ قانون بنا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام کے سوا دنیا کے کسی اور مذہب میں اس ہم اور مراعات کی نظیر مل سکتی ہے؟ وراثت بوجہ ان قوانین کے جن میں، ذیلی قوانین ہمیشہ مختلف آلا راجی ہیں اور آج بھی ہیں یہ سنبھ بھی ہے، عیسائیوں میں صرف اولاد اکبر جائداد غیر نفقہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد کو نگہارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہیں۔

ہندو دین میں کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قربت وار دین کو کچھ نہیں ملتا۔ لڑکیوں کو صرف نان و نفقہ ملتا ہے

عرب دین عورتوں کو طلاق وراثت نہیں پہنچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے،

اس آیت پر یہ تاجنا بھی ضروری کہ تمام حکام وہ ہیں جو قرآن مجید اور احادیث کے روتے ثابت ہیں

اولاد کو کے سوا۔ باپ بھائی۔ ماں بہن وغیرہ کو وراثت میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا تھا۔
یورپ آج کل اس قدر تہذیب و تمدن میں ترقی کر گیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہو
کہ صرف اولاد اکبر وراثت ہوتی ہے۔

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے
چاہئیں، اس بحث کا مدار دو سوالوں پر ہے۔ ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد میں تقسیم کرنا اور
پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد میں محدود رہنا۔ دوسرے یہ کہ کس شخص کے مر جانے پر اس کی
جائداد اس کے عزیزوں کو کیوں ملتی ہے۔

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ مسئلہ کر دیا ہے کہ دولت کی مقدار بقدر زیادہ افراد
میں تقسیم ہو کر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ تمدن اور خوشی ممالک میں بھی چیزیں زیادہ فارق
ہے جنہیں سلطنتوں میں عموماً جموعیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اسکے ارکان میں
دو متمند ہوتے ہیں، باقی تمام لوگ عموماً نادار و کم مایہ ہوتے ہیں بخلاف اس کے شایستہ
ممالک میں بادشاہ سے لیکر افسار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علی قدر اہم رتبہ اترتی
آتی ہے۔

اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعد وراثت میں پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے
مطابق بیعت کے تمام رشتہ دار و قریب، درجہ بدرجہ وراثت سے مستحق ہوتے ہیں، اماں
باپ چچا دادا بھائی بہن چھوچی، خالہ، ماموں وغیرہ سب، وراثت میں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے
ہیں وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قربت ہے یعنی جن لوگوں کو میت سے

رشتہ کس
اہل بیعتی
ہے

اسلام کے قواعد
وراثت کا مستند اصول
مقتدرہ بیعتی ہیں

ہیت سے تعلق تھا، اور جو لوگ ہیت کے شریک رنج و راحت اور اس کے اعضا و جوارح تھے، ان کو ہیت کی جہاد میں سے حصہ ملنا چاہئے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لئے خاص کر دئے جائیں رہے۔ شبہہ رشتہ داروں کے مراتب متفاوت ہیں، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن یہ صریح ظلم اور نا انصافی ہے کہ ہر ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیوں کو بالکل محروم کر دیکے، اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر و ارث ہو، اولاد کو بخلت ہیت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکساں حاصل ہے، باوجود اس کے صرف البیتر ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیوں کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، ہیت کو جن جن رشتہ داروں سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت وقت نظر سے ان کے مراتب متعین کئے اور اسی نسبت سے، ان کے مختلف اور کم و بیش حصے مقرر کئے۔ حقوق عامہ مناس - اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکو کاری خوش خلقی - فیاضی رحمہ کی ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن جس موقع پر ان کا ذکر نہیں کرتے کیوں کہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم، تمام مذاہب کا اصل اصول ہے اور اس میں کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہیں، البتہ جو چیز ترجیح اور حقوق کا معیار ہے وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذہب والوں یا غیر قوموں کے ساتھ کس قسم

سلوک کی تعلیم کی ہے؟

دنیا میں بڑی بڑی قومیں جو تمام دنیا پر چھا گئی تھیں، ہندو۔ پارسی۔ عیسائی اور یہود تھے۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قوموں کو جو اربعین نہ تھیں، خود رکالقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے ان کے لئے وہ قاعدے بناے جس سے زیادہ سخت اور ذات وہ قاعدے کسی کے خیال میں نہیں آسکتے وہ ہر قسم کی عزت آزادی۔ عہدہ اور اختیارات سے محروم کر دئے گئے انتہا یہ کہ اگر وہ مقدس کی آواز، اتفاق کسی خود رکے کان میں نہ پڑ جائے تو اس کے کان میں سیدہ پلا دینا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے لپاک کان اس مقدس آواز کے بھی سچی نہیں۔

قدیم عیسائیوں کے عروج کا پہلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے۔ یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ عظمت و شان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور و دراز حصوں میں ان کے نام سے لرزہ پڑ جاتا تھا لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فریج کی انسا ایک و پیڈیا میں اس کا خاکہ ان لفظوں میں کھینچا ہے

دور و من کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ یہ تھی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اس کے جو فضائل تھے یعنی شجاعت کمرپشت مہنی۔ ترتیب۔ اتحاد باہمی وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤں کے فضائل تھے۔ اس کی وطنیت بالکل دشمنانہ تھی۔ نے انتہائی جاہ اجنبی قوموں کے ساتھ کینہ پروری، رحمہ کی کے احساس کا فاجو جانا ان چیزوں کے سوا،

و ان اور کچھ نغمہ آتا تھا عظمت و شان جس چیز کا نام تھا وہ بیجا زنی - دُرّہ زنی - قیدیان جنگ
کو سزا دینا - بچوں اور بوڑھوں سے گاڑی کچھو انا تھا،

یہودیوں نے غیر قودن کے ساتھ جو برتاؤ کیا، اس کے انداز فکر نے کے لئے صرف
یہ کافی ہے کہ خود تو راستین مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنوں کے ساتھ
خیر آدمی جو گرفتار ہوے سچے مان میں سے عورتیں اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائیں
اور سب کے سب قتل کر دے جائیں۔

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

قوم و نسل کی تمیز تو سرے سے اٹھادی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اُس نے، پارس
بند و ترک تباہ و جہتی، اخلاقی غرض تمام دنیا کی قوموں کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ،
عرب کا ہمہ نہادیا، یورپ آج اس قدر آزادی کو دیتی ہے لیکن غیر قوموں کے ساتھ
اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح وہ شام نہیں سلگا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو
یورپ والوں کا ہم مذہب ہو جائے، تو یورپیوں مذہب اس کو اتنی دیتے ہیں کہ رقیبا
میں وہ ان کا ہم مذہب ہوگا، لیکن اس دار فانی میں جو مدافصل محمد اہم تھی وہ قائم رہے گی
برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزویہ - دہلیہ - سلا جتہ ترک - چراکہ وغیرہ کو جن میں عرب
سکے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت، نوبت، شاہنشاہیان کنش دین اور خود عرب کو
ان کا محکوم بنادیا۔

فالغیہ مذہب کی اسلام نے دو قسمیں قرار دیں،

اسلم نے غیر
مذہب کو دیکھ
قوموں کو کیا
حقورق دے

۱۰ (۱) فوجی اور معاہدہ یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت میں رہتے ہیں یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) حربی یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے اور لڑائی اور غارتگری قائم ہے یا قائم ہو سکتی ہے

فیمول کو اسلام نے جان مال آزادی عفت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانوں کا ہمسربا دیا لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حقوق الیمین ہے اس لئے اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے۔

حرمیوں کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا بِكُمْ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
وَأَن تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

یہ رسالہ اور چند رسالوں کے ساتھ چھاپا چھپا کر سالانہ شہری ہے اور مدرسہ علوم علی گڑھ میں مل سکتا ہے

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانوں کا فرض مذہبی ہے
اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانوں نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتیں ہنسوخ ہو گئیں، لیکن اس
مناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَكْفُرُ الْكُفْرُ بِاللهِ عَنِ النَّبِيِّ إِنَّ يَكْفُرُ الْكُفْرُ فِي
الَّذِينَ دَخَلُوا فِي الْكُفْرِ مِنْ دِيَارِ الْكُفْرِ كَبُرَ كُفْرُهُمْ
وَنَفْسُ طَوَّالِيهِمْ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنْ الْكُفْرِ
سَائِمَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَنِ الَّذِينَ كَانُوا كُفْرًا
فِي النَّبِيِّ دَاخِرًا كُفْرُهُمْ دِيَارِ الْكُفْرِ
وَضَالَهُمْ وَاعْلَى رَحْمَتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ كُفْرُهُمْ
وَمَنْ يَكْفُرْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ
ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اس صورت کے کہ مخالفین مذہب مسلمانوں سے
مذہبی لڑائی نہیں اور ان کو ان کے ملک سے نکال دین یا نکال دیئے پر امانت کریں
اور کسی صورت میں، ان سے دوستی رکھنا یا ان کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہیں۔ عیسائی
اور بعض اور مذہبوں میں بظاہر اس سے نیا وہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہیں مثلاً انجیل
میں ہے کہ "اگر تمہارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پیچیر
دو کہ یہ بھی حاضر ہے"

لیکن یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو بظاہر نہایت خوشنما ہیں لیکن واقعہ میں فضول ہیں کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہیں اور اس وجہ سے علی صورت میں کہی ان کا ظہور نہیں ہو سکتا
اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونوں سے
الگ ہے اور اس کے حسب قدر احکام ہیں۔ تمام فطرت انسانی کے موافق ہیں

بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے،
مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف، اور مختصر ہے اور
یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ
ایک محقق ان الفاظ میں حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل
اور پرچہ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اٹھے گا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف
کیون نہ ہو کہ میں ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمد پر، یہی دو لفظ تھے جنکے
زبان پر لانے سے اولین کرنے سے دفعۃً کافر مسلمان گمراہ، ہدایت یافتہ، متقی، سچے
اور مرد و مقبول بن جاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبائع کے اختلاف نے اس متن
پر سیکڑوں حاشیے بٹھا دیئے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہو گیا ہے
جس کو قرون اولیٰ کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اتر
تھا وہ آج بھی نہیں سمجھ سکتے، طرہ یہ کہ یہی نو زائید مسائل، کفر اور اسلام کا معیار
قرار پائے، قرآن مجید مخلوق ہی یا قدیم، صفات الہی عین ذات ہیں یا غیر، اعمال جزو ایمان ہیں

یا خارج و قرون اول میں ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا لیکن زمانہ مابعد میں انہی کو کفر و اسلام کی حد و فصل قرار دیا گیا تاہم علم کلام میں قمریہ طے ہو گئے کہ ان مسائل کی بنیاد کیا قیاستیں برپا ہوئیں بہر حال اب یہ مسائل علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جدید علم کلام میں نفی یا اثبات ان کے ذکر سے چارہ نہیں۔
ان مسائل پر دو حیثیتوں سے بحث کرنی چاہئے۔

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو وقتی ان سے کس حد تک تعلق ہو

پہلی بحث پر بحث علم کلام کی تاریخ میں ہم فصل اولکے چکے ہیں یہاں صرف اس قدر بتا دینا کہ یہ مسائل دو قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا حدیث میں سے نہیں ہے لیکن چونکہ مکملین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہیں اسلئے ان سے بحث کرنی ضرور ہے کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہیں ہو سکتی مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بطریق قرآن و حدیث میں مذکور نہیں لیکن جو عقائد قرآن مجید میں مذکور ہیں انکے لوازم میں سے ہیں کہ قرآن، کلام الہی ہے، در کلام الہی خدا کی صفات میں ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسلئے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہوگی کیونکہ جو چیز جو حادث کا متعلق ہوتی ہے خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ جو اسے خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں،

مسائل عقائد
کی نوعیت

بعض مسائل ایسے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن چون کہ ان کی کیفیت مذکور نہیں اس لئے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہو گئے مثلاً معاد کی کیفیات، قرآن مجید میں نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہیں، اشاعرہ نے اس کی کیفیت یہ قرار دی کہ جہنم وہی جہنم دوبارہ پیدا کیا جائے گا جو دنیا میں وجود تھا، حکماء اس نام کے نزدیک معاد کو جسم سے متعلق نہیں، عذاب و ثواب کو کچھ ہوگا، روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ روح جو ہر سیطرہ اور وہ پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی و دوسری بحث پہلی قسم کے مسائل یعنی خدا کو قرآن مجید یا احادیث معصیہ میں سرے سے نہیں ہے وہ حقیقت کلام میں داخل نہیں لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے ہیرو بن گئے ہیں لہذا ان کا ذکر ضرور ہو چنانچہ وہ حسب ذیل ہیں۔

دیکھو فسرق

اشاعرہ

خالد و راکش محمد بن اسکے مخالف ہیں۔

(۱) خدا کسی جہت میں نہیں

کرامیہ اسکے مخالف ہیں ابن تیمیہ جہم کا قائل ہے

(۲) فی ایک جہم نہیں ہے

ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے

(۳) خدا جوہر یا عرض نہیں

(۴) خدا کسی زمانہ میں نہیں یعنی زمانی چیز نہیں

شاہ ولی اللہ صریحاً فرماتا ہے کہ وہ بین یقین کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہیں

کسی شخص کا بل سنت و جماعت سے ہونا ان مسائل کی بنیاد نہیں ہے۔

مسائل حقانہ
جو قرآن میں
مذکور نہیں

(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا و صرۃ وجود والوں کے نزدیک ہر چیز خدا ہی۔

(۶) خدائی ذات میں کوئی حادثہ نہیں ہوتا کبریاۃ اس کے مخالفت ہیں۔

(۷) خدائی صفات، عین ذات نہیں ہیں حکماء اسلام اور اکثر مقلد کے نزدیک عین ذات ہوتا

(۸) خدا قادر بالذات جو یہی فعل اور ترک ہوئی سینا وغیرہ کے نزدیک، موجب بالذات ہے یعنی جس طرح آفتاب سوروشنی صادر ہوئی ہے فعل کا مختار ہے

اسی طرح خدا اس افعال صادر ہوتے ہیں۔

(۹) خدا تمام کمالات کا خالق بالذات ہے۔ ہوئی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے

اور جو چیز واحد بالذات ہے، اس سے بالذات

صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے چنانچہ

خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر

عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات

پیدا ہوئی۔

(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے مقررہ کے نزدیک حادث ہے

(۱۱) خدا کا کلام قدیم ہے اور وہ کلام نفسی ہے خلیوں کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہے

لیکن کلام نفسی نہیں بلکہ حرف اور صوت کا

نام ہے مقررہ کے نزدیک کلام آبی حادث

ہے اور حرف و صوت کا نام ہے۔

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں۔
 وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہیں،
 انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہیں۔
 (۱۳) خدا کے افعال اسل بالاعراض نہیں
 معقولہ کے نزدیک، انسان کا ارادہ اور قدرت
 خود اس کے افعال کی علت جو البتہ یہ ارادہ
 اور قدرت خدا نے اس میں پیدا کی ہے۔
 معقولہ کے نزدیک، خدا کے فضل کی غرض
 دعایت ہے۔

(۱۴) بقا ایک صفت و جوی ہے جو اہل وجود پر زائد ہے،
 (۱۵) سمع و بصر جو خدا کے اوصاف ہیں تمام عسوسات سے متعلق ہو سکتے ہیں۔
 (۱۶) کلام باری میں کثرت نہیں بلکہ وہ واحد و احد ہے۔
 (۱۷) خدا کا کلام نفسی سموع ہو سکتا ہے۔
 ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہیں لیکن جہات مسائل ہیں اس کے ہم نے
 انہی پر التفات کی،
 دوسری قسم کے عقائد وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

یہ عقائد زیادہ اُن چیزوں سے متعلق ہیں جو روحانیت یا عالم غیب میں داخل ہیں، مثلاً جو
 ملائکہ، بشر و نشر بہشت و دوزخ، صراطِ میزان وغیرہ، چونکہ ان کا ذکر قرآن مجید میں تو
 اجمالاً تمام اسلامی فرقوں نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے متین کرنے میں
 اختلاف ہوا بعض فرقوں نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لئے بعض نے مجاز اور
 استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ میں کچھ تاویل نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیت

کے بھانے کا یہ ایک طریقہ ہے یہ اختلاف اگرچہ خود مقناطیسیت تھا لیکن ایک نئی

سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید میں اس کا اشارہ موجود تھا۔

قرآن مجید میں ایک آیت ہے،

وَمِنْهُ آيَاتٌ مُّكَمَّلَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَخُزْنُ

مُتَشَاكِلاتٍ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ

زَيْعٌ فَيُتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ

آیتوں کے پیچھے بڑے رستے میں تکرار و تکرار اور تکرار

الْفِتْنَةُ وَابْتِغَاءُ تَاوِيلِهِ - وَمَا يَعْلَمُ اُنْ كِى تَاوِيلُ كَرِيْمٍ، هَلَّا كَرِهَ اُنْ كِى تَاوِيلُ يَجُوزَ لَكَ كَوْنِ نِيْزَرِ

تَاوِيْلُكَ اَللّٰهُ وَالْاَسْمَحُونَ فِي الْعِلْمِ جانتا یا وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم اس پر

يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ (ال عمران ١٥٦) | ايمان لائے۔

اختلاف ہں طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے **وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** کو الگ جملہ قرار دیا جسکے

رو سے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتیں بہرہ میں اُن کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ باقی جو

لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ صرف یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے دو گے

فرق کے نزدیک **الرَّاسُخُونَ فِي الْعِلْمِ** الگ جملہ نہیں ہے بلکہ پہلے جملہ

یہ عطف ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہو — حکمہ مبہم آیتوں کی تاویل بجز خدا کے اور بجز ان

لوگوں کے جو علم میں کیے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ پہلے سنی کے قائل، حضرت عائشہ۔

حسن بصری۔ مالک ابن انس۔ کسائی۔ فراء اور حجابی وغیرہ ہیں۔ دوسرے معنی کے

۱۰۰ تفسیر کبیر۔ ایتہ ہوا لدی انزل علیہ لکلیب ومنہ ایتہ محکمات

قائل، مجاہد، بریع بن انس اور اکثر متکلمین ہیں۔ عبداللہ بن عباس سے دونوں روایت ہے
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا یعنی یہ کہ کون سی آیتیں محکم ہیں اور کون سی مبہم
اس بنا پر عقائد مجہوث فیہا میں متعدد اختلافات پیدا ہوئے

(۱) یہ عقائد جن آیات میں مذکور ہیں وہ مبہم ہیں یا نہیں؟

(۲) مبہم ہیں تو ان کی تاویل کتنی چاہیے یا نہیں؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیوں کر؟

چونکہ آئندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لئے سب سے پہلے ہم کو تاویل کا مفصلہ کرنا چاہیے
یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہیں جائز ہے اور کب
ناجائز؟ اگر انقبض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار
کہاں تک قرار دیا جاسکتا ہے؟

تاویل کی
حقیقت

تاویل کے معنی اصل لغت میں مرجع و میر کے ہیں اور اصطلاح میں تفسیر اور تفسیر
کو کہتے ہیں قرآن مجید میں یہ لفظ اکثر ارضی معنوں میں استعمال ہوا ہے سُبَّانَکَ رَبَّنَا وَبِیْل
مَا کُنْہُ تَسْتَطِیْعُ عَلَیْہِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیری اصطلاح میں تاویل کے یہ معنی ہیں کہ کسی لفظ
کے ظاہری اور ظہری معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لئے جائیں۔

اسلام میں جس قدر فرقے ہیں مشنویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے
امام احمد بن حنبل کے نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر
وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز میں (بجز مشنویہ کے)

اور کسی کو کلام نہیں، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل میں ہے یہی کہا جا چکا ہے
 اور کہاں نہیں ۱۹ اسلامی فرقوں میں ظاہر پرستی اور دقیقہ بندی کے لحاظ سے جو فرق مراتب
 تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود و وسیع ہوا۔ سب سے پہلا درجہ ارباب
 ظاہر کا ہے، ان کے نزدیک کہیں تاویل جائز نہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے
 آسمان و زمین سے کہا کہ بہ خوشی یا کراہ حاضر ہو دو تو ان نے کہا ہم طیعانہ حاضر ہیں،
 یہ مثلاً قرآن میں ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو
 جاتی ہے، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتوں میں وہی لغوی معنی مراد ہیں یعنی یہ کہ
 فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے
 کے وقت کن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابو الحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب قریب ہوا
 قرآن مجید میں ہے کہ خدا کے دو لون ہاتھ کھلے ہوئے ہیں امام موصوف نے کتاب لابانۃ
 میں تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اہلی معنی مراد ہیں، کوئی مجاز یا استعارہ نہیں ہے
 ارباب ظاہر کے بعد عام شاعر۔ پھر مایہ پھر مقرر لہ پھر حکماء اسلام ہیں اس
 بحث میں سب سے اہم تاویل کے حوال کا الضباط ہے یعنی کن موقعوں پر تاویل جائز
 ہے اور کن موقعوں پر نہیں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور فضل التفریقین الاسلام
 والزندقیہ میں اس پر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لئے ہم اس کا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہیں
 احیاء العلوم جزو اول کتاب قواعد العقائد فصل ثانی میں ہے،

اگر تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے

تاویل و تفسیر
 امام غزالی

بعض نہایت واضح ہیں اور ابتداءً انہیں میں آجائے تھے اصل معنی میں جو مجاہدہ ریاست کردگاروں
اور فکر صحیح سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ بھی اُس وقت کہ دنیا کی تمام چیزوں کی فارغ الذہن ہو گئی
ہو تو جو کچھ کھائے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہو کیونکہ شریعت میں ظاہر و
باطن دو الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہے وہی باطن ہے جو معنی ہے وہی آشکار ہے،
تو تم کو یہ جاننا چاہئے کہ ان علوم کا معنی وہی ہونا اسی بات ہے جس سے کوئی صاحب فہم انکا تہیز
کر سکتا۔ صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہیں جنہوں نے بچپن کے زمانہ میں کچھ سُن لیا اور اسی بچم
گئے انہوں نے بندی کی طرح درملاوا دلیا کے تعلقات کی طرف ترقی نہیں کی، اور یہ خود شریعت کے
دلائل سے ثابت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہیں اور ایک باطن ایک
حد ہے اور ایک مطلع۔ (یہ حدیث صحیح نہیں مگر) حضرت علی نے اپنی سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ
اس میں بڑے بڑے علوم ہیں کاش انکا کوئی حال ملتا، آنحضرت نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ ہیں،
ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگوں کو انکی عقل کے موافق بات کریں، (یہ حدیث بھی مرفوع نہیں بلکہ
حضرت علی کا قول ہے) آنحضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کی جائے اور وہ
انکی عقل سے باہر ہو تو ان کے حق میں فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ نَحْنُ بَهَا
لِنَأْتِيَهُمْ وَمَا يَكُونُ لَكَ لَأَنْتَ لَكُونِ آنحضرت نے کہا ہے کہ بعض علوم پوشیدہ ہیں جن کو صرف
عارفان الہی جانتے ہیں، انہو اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں، اگر تم بھی جانتو
تو سنہتے تم اور روئے زیادہ ۷

اب بتاؤ اگر یہ ساری باتیں یہ تمہیں جن کے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

اُن کو نہیں بھر سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرت نے انکو ظاہر کرمین نہیں فرمایا اور یہ
 ظاہر ہو کہ اگر آنحضرت بیان کرتے تو لوگ بہر حال بتقدیق کرتے بن عباس نے اس بات کے
 متعلق اللہ اللہ ہی حَقِّ سَبْعَ سَمُوَاتٍ مَعْنِیَ اَلْاَرْضِ نَشْتَهُنْ کہا ہو کہ اگر اس آیت کی تفسیر میں بیان
 کروں تو تم لوگ جھکو پھر مارو گے اور دوسری روایت میں یہ کہ تم کہو گے کہ عبد اللہ بن عباس
 کا فرسہ اور ابو ہریرہ کا قول یہ کہ میں نے آنحضرت سے دو قسم کی باتیں یاد کیں، ایک کو شائع
 کیا، اور دوسرے کو اگر شائع کروں تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرت فرمایا کہ ابو ہریرہ
 کو جو فضیلت تم لوگوں پر جو زیادہ غازیٹھنے اور روزہ رکھنے کی نہیں ہو بلکہ اس سارا کیو جو یہ جو اس کے
 سینہ میں امانت ہے اور یہ ظاہر ہو کہ یہ راز مجھ ہی اصول کے متعلق تھا اور جو چیز مجھ ہی اصول
 میں داخل تھی وہ ظاہر ہی طور پر اور وہ بھی مخفی نہیں ہو سکتی تھی، اسلئے تشریح کا قول یہ کہ علما کی
 پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہیں (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہیں (۲)
 علم باطن جو صرف ان لوگوں پر ظاہر کیا جاتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں (۳) وہ علم جس کا تعلق
 صرف خاص ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ ظاہر نہیں کیا جاتا، بعض عرفا کا قول یہ کہ ربوبیت
 خدا کی اکا بید ظاہر کرنا کفر ہے، بعضوں کا قول یہ کہ ربوبیت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا
 جائے تو نبوت بیکار ہو جائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو علم بیکار ہو جائے
 اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمام حکام باطل ہو جائیں، اس قائل کا
 غالباً مطلب یہ ہے کہ نبوت کو تاہم نبیوں کے نزدیک باطل ہو جائے گی ورنہ اگر یہ مطلب
 نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ سچ ہے کہ ان دونوں میں تناقض نہیں کیوں کہ کامل وہی ہے

جس کا نور معرفت اور تقویٰ کو بچانہ دے اور تقویٰ کا مرکز نبوت ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات میں تاویل ہو سکتی ہے، اور نہ ظاہر و باطن میں کیوں اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہے تو شریعت باطل ہو جائیگی اور یہ وہی بات ٹھہری کہ حقیقت خلاف شریعت ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہے اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونوں ایک ہی ہیں تو پھر دو تئیں کیسی؟ اس صورت میں شریعت میں کوئی قابل احراز نہ ہوگا اور ظاہر و نہبان ایک ہوگا۔

تو تم کو جاننا چاہئے کہ یہ سوال ایک بڑی جہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے اور علم کا شنف کیون منجر ہوتا ہے اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور جاتا ہے حالانکہ ان تعصیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اور پر مذکور ہوئے وہ اعتقادات قلبی ہیں داخل ہیں اور ہم نے اپنے قلبیہ یقین کیا ہے، نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہیں کئے گئے ہیں، اور اگر یہ اعتقاد اعمال میں داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب میں انکا ذکر بھی نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہیں نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصہ اول میں اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہوتا تو یہ قلب کی باطن ہوتی ہو، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا پڑا ہے کہ ظاہر و باطن میں تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کو مختصر طور پر اس حصہ کا حل کرنا ضروری ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہیں وہ اسلام کے بجائے کفریہ یا قریب ہو، اصل یہ ہے کہ جو اسرار معترفین سے مخصوص ہیں اور جنکو اور لوگ نہیں جانتا اور جنکا

فانش کرنا نسخ ہی کی بجائے تئیں ہیں،

(۱) پہلی قسم ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتیں اسکے سمجھنے سے عاجز ہیں تو وہ خواہ مخواہ تئیں کے ساتھ مخصوص بھگی اور ان کا فرض ہو گا کہ اس کو ان اہلون پر نظام ہر نہ کریں ورنہ ان کے عقین وہ وہ جب فنا ہوگی کیونکہ ان کے فہم کی وہاں تک سالی نہیں ہو سکتی، اسی بنا پر جب لوگوں نے آنحضرت و روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرت نے اعراض کیا، کیونکہ روح کی حقیقت عام لوگوں کے فہم میں نہیں آ سکتی، اور وہ ہم اس کی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہو، یہ نہ سمجھو کہ آنحضرت کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہیں جانتا وہ اپنی حقیقت نہیں جانتا، اور جو شخص اپنی حقیقت نہیں جان سکتا وہ خدا کو کیا چٹان سکتا ہی بعض علما اور اورادیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے ہیں اور اس وجہ سے جس موقع پر انہیں سکوت کیا ہے وہ بھی سکوت کرتے ہیں۔ روح پر کیا موقوف ہے؟ خدا کی صفات میں وہ باریکیاں ہیں جن کو عوام نہیں سمجھ سکتے چنانچہ آنحضرت نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً علم، قدرت وغیرہ بیان کیں، ان کو بھی لوگوں نے اس حد تک سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے تھے اس لئے خدا کی قدرت اور علم کو اسیہ قیاس کر سکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کئے جاتے ہیں جن کے مشابہ کوئی صفت انسان میں موجود نہیں ہے تو انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا، بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی حد تک سمجھا نا چاہو تو وہ نہیں سمجھ سکتا بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ خدا میں جواز ہے، اس کے مشابہ ہی لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہیں ہے خدا کے علم و قدرت اور انسان کے علم و قدرت میں جو فرق ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو مقدار کھانے کی

لذت اور جماع کی لذت میں ہے۔

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گذشتہ) کا تھوڑا سا تجربہ اپنے آپ پر قیاس کر کے دوسروں کی ذات و صفات کا بھی تصور کرتا ہے اور یہی اندازہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں شرف و کمال کے لحاظ سے فرق ہے۔ اس بنا پر انسان جو کچھ کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ خود اس میں جو اوصاف پائے جاسکتے ہیں، شرافت، قدرت، علم وغیرہ بھی کو خدا میں بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہو گا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے نہایت بلند تر قرار دینگا۔ تو انسان و حقیقت اپنے ہی صفات کا نہایت بڑا تجربہ ان صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہیں اسی بنا پر انہیں خفرت نے فرمایا ہے کہ اے خدا! میں تیری توصیف اس طرح نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود کی ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ انہیں خفرت کو خدا کی صفات کا وہ تجربہ تھا اور ان کو انہیں کر سکتے تھے بلکہ ان کو اعتراف تھا کہ میں خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہوں، بعض بزرگوں نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہے، اور حضرت ابو بکر کا قول ہے کہ وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچانے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اس کے پہچان سکے کا اقرار کیا جائے۔

”میں ان پہنچ کر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہتا ہوں اور اپنے مقصد کی طرف واپس لانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسموں میں سے ایک وہ مسائل ہیں جو فہم کے دائرہ سے باہر ہیں انہی میں روح کا مسئلہ بھی ہے، خدا کے بعض صفات بھی اس میں داخل ہیں، حدیث ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ ہے، خدا کے شکر پر ہے ہیں، جو نور کے ہیں اور اگر وہ کلمہ حق ہے تو

جل کر رہ جائیں،

(۲) دوسری قسم کے مساجد کو انبیاء و رصیقین ظاہر نہیں کرتے وہ وہ ہیں کہ بجائے خود قابل فہم ہیں لیکن انکا ذکر اکثر ان کے حق میں مضر ہے، گو انبیاء و رصیقین کے حق میں مضر نہیں، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جبکہ ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ عجب کی بات نہیں کہ بعض حقائق کا ذکر بعض لوگوں کے حق میں مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمکا دینے کے حق میں، اور گلاب کی خوشبو گریزے کے حق میں مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ فرشتہ مباحی اور برائیوں سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہیں فی نفسہ سچ ہے لیکن یہی بات اکثر ان کے حق میں مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک مفاہت کی دلیل ہے، اور حکمت کے خلاف ہے اور گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے، چنانچہ ابن الراوندی اور نالاق اسی بنا پر طعن کر گئے، تقنا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگوں کو خدا کے عجز کا گمان ہوگا، کیونکہ اس شہد کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگوں کے سمجھ میں نہیں آسکتا، اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جائے کہ قیامت کے آنے میں ہزار برس یا کم بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا، لیکن اگر تعین کر دی جاتی تو حلاوت مضحکت ہوتا اور زمین خلق کو ضرر پہنچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے میں زیادہ دیر ہو تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہیں قیامت کی چنل پر روانہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگوں پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

(۲) تیسرے قسم کے وہ موبین کہ اگر صاف طور پر کہہ سکتے ہیں تو سمجھ میں آجائیں اور اس میں کچھ ضرر بھی نہیں، لیکن ان کو استعارہ اور رمز کے پیرائے میں اس غرض سے بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والے کے دل میں اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور صلت ہی کی تقاضی ہو کہ دیکر زیادہ قوی اثر ہو مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے فلان کو دیکھا کہ وہ سو رکی گردن میں ہو تو کارہر پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ناہون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہر ہی معنی سمجھے گا لیکن محض شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ وہاں نہ سو رہا نہ سوئی تو اصل غرض کی طرف اس کا خیال قفل ہو گا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

مَجْلَانِ خِطَا وَ انْخِرَاجِ اِحْسَانِ مُتَقَابِلَانِ هَلْ لِّسَمَاكِ الدَّهْلِ
اَلَا اَنْ يَنْبَغِي ذَا الْخِزْمَةِ مَدْبُورِ وَ يَحْيٰطُ صَاحِبُهُ ثِيَابُ الْمَقْبَلِ

ان شہنشاہانِ مہمان آسمانی اقبال و دبار کو دو کارہ گردن سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی تعبیر میں بھی مقصود کو ایسی صورت کے ذریعے سے بیان کیا جاتا ہے جو میں معنی یا اس کی مثال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی قسم میں آنحضرت کا یہ قول دہل ہے، کہ بعد تھو کہ اس طرح بیدار ہو کر سٹ جاتی ہے جس طرح چڑاگ پر رکھنے سے، حالانکہ بظاہر سجد میں انقباض پیدا ہوتا ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ سجد قابلِ تعلیم چیز ہے اور اس میں تھو کہنا اس کی تہجیر، اس قدر فیض سجد کی شان کے اس قدر مخالفت ہے کہ گویا چڑے کو آگ میں ڈال دینا ہو، اسی طرح آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہو وہ اس بات سے نہیں بچتا کہ خدا اسے سر کو گرہ سے کاٹ دے، اگرچہ ظاہر ہی صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہیں ہوتا

اور نہ کبھی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ اگر اسے کے سترن صورت
 و شکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہر وہ حماقت اور غباوت
 کے لحاظ سے ہر اور جو شخص نام سے پہلے مرٹھا تا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سرگوا اگر ہر کا
 سر ہے کیونکہ یہ انتہا ہے حماقت ہر کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلتا ہر اور پھر اس جو آگے
 نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل
 عقلی سے یا دلیل شرعی سے، دلیل عقلی یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرت کا
 قول کہ مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے، حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کو دیکھا
 جائے تو اس میں کہیں انگلیاں نظر نہ آئیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد
 ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہر اور قدرت کی تعبیر نگلی سے اس لئے کیا گئی کہ کمال
 اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال قدرت کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہر
 مَا كُنَّا نَسْتَعِزُّ بِكَ وَنَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ كَذِبًا (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم
 کہتے ہیں کہ ہر جو اور وہ ہر جاتی ہے، یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لے جاسکتے کیونکہ جو چیز
 معدوم ہر وہ قابل خطاب نہہر تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہر تو تحصیل
 حاصل ہر لیکن چونکہ کمال قدرت کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہر اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا
 دلیل شرعی کے یہی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت
 ہو گیا ہو، کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ اَسْتَدِلُّونَ السَّمَاءَ بِمَا
 هِيَ خَالِئَةٌ مِنْ دُونِ الْغُيَّانِ (اور وہاں دیوں سے قرآن اور وہاں دیوں سے مراد وہاں نہیں ہے)

بعض میں بہت سانس و خاشاک ہے بعض میں کم۔ اور بعض میں بالکل نہیں، اور جگہ تو کفر و
نفاق مراد ہے کیونکہ گودہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہے اور ہدایت جو
لوگوں کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے۔

اس تیسری قسم کو لوگوں نے زیادہ وسعت دی ہے یہاں تک کہ قیامت میں ترازو
پل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہے لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ کوئی
حدیث اس کے موافق منقول نہیں اور اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی احتمال نہیں اسلئے
ظاہری ہی معنی لینے چاہیے۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پر تحقیق اور ذوق و اسکی
حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہو جائے، ان دونوں طول میں ایسا فرق
ہے جیسا چمکے اور غنیمت یا ظاہر و باطن، میں اس کی یہ مثال ہے کہ جس طرح کسی شخص کو کوئی
چیز تاریکی میں یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت میں اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن
جب روشنی میں یا قریب سے دیکھ گا تو دونوں صورتوں میں تفاوت معلوم ہوگا، دوسری حالت
پہلی حالت کی سناقت نہ ہوگی بلکہ اس کی تحلیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے
انسان، عشق، بیاری، یا موت کا یقین لکھتا ہے لیکن جب غوہ اسکو، یہود قیامت آئے ہیں تو وہ یقین
پہلے یقین سے کہیں زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات
کے متعلق مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہے، جو وقوع کے بعد ہوتا ہے
اسے امام صاحب نے دینی شاعری کی بولی بول گئے اور اسے معلوم نہیں کہ بین اس قسم کا پردہ لکھتا اور لکھتا
لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات میں اس راز کو فاش کر دیا ہے۔

جو غم ہو جانے کے بعد جو تسکین آپس میں مختلف ہیں مثلاً بھوک ب نال ہو جاتی ہو تو اس کے بغیر
کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت میں تھی، اسی طرح علوم دین کی
حالت ہو کہ وجدان کے متعلقہ ہو پھر کامل ہوتے ہیں، کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر
سے اور کمال کی حالت گویا باطن ہے۔ ایک بیمار کے ذہن میں صحت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے
کہیں مختلف ہے جو ایک صحت کے ذہن میں ہے۔

ان پاروں ان تمام میں لوگوں کی حالت تفاوت ہے حالانکہ ان سب حالتوں میں
باطن و ظاہر کی مناقض نہیں بلکہ اس کا متم ہے جس طرح مغز چمکے گا تم ہو

(۵) یہ وہ صورت ہے کہ زبان حال کو زبان حال سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوتاہ فہم ظاہر پر لگتا
ہے اور اس کو حقیقی نطق سمجھتا ہے، لیکن حقیقت شناس پہلی راز کو سمجھتا ہے کہ ایک ضرب اسل ہے کہ
دیوار نے کھوٹی سے کہا کہ تو مجھ کو یوں چھیدی ہے کھوٹی نے کہا کہ اس سے بچو جو مجھ کو ٹھوک ماری
کیونکہ میں خود غماز نہیں ہوں یہاں زبان حال کو زبان قال ہوا دیکھا۔ اس طرح قرآن کی یہ آیت
ثُمَّ اسْمَعُوا لِيَ اَللّٰهِ دَعْوٰی ذٰلِكَ فَعَلَّ اٰیٰتُہٗا اَسْمٰنَ کَیْطُوفٌ بِہَا جِبۡلٌ مِّنۡ دُھٰنٍ تَخٰوَدُّ اَوۡسَافٌ
لِّہَا وَاٰیٰتُہٗا اٰیٰتُہَا اَظۡہٰرُہَا اَکۡرَہَا اور زمین سے خطاب کر کے کہا کہ تم دو فتنہ بخشی مایہ
فَاَلۡتَ اٰتٰیۡتَ کَاطٰیۡتَ اٰیۡتَیۡنِیۡ

حق آدمی اس کے یہی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہیں اور یہ الفاظ
حرف اور صورت کے ذریعہ خدا نے ان سے کہے۔ زمین اور آسمان نے انکو سمجھا اور جواب
دیا کہ ہم حاضر ہیں۔ لیکن ان کے خدا کی تائید یہ زبان حال ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زمین اور آسمان خدا کے

ارادہ کے غالب ترین، اسی طرح خدا کا یہ قول ہے

وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا كَسَبَتْ جُنُودُہٗ ۱

ایک چیز بھی ایسی نہیں جو خدا کے عمل کی تیج بن جاتی ہو۔

کون آدمی اس آیت سے سمجھتا ہے کہ جادات میں حیات، عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقتاً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہیں لیکن حکمت دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جادات کا وجود خدا کی تسلیح، خلایق تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے یہی انشاء و نگہاوی

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّكَ اٰیَةٌ ۲

كَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنَا وَاَوۡحٰیۡنَا

محاورہ میں کہتے ہیں کہ یہ عمدہ صنعتگری۔ کاریگری حیرت انگیز ہے اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے مراد نہیں ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہو بلکہ اس کی حالت یہ بینی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہو جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اس کے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حالتوں کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہیں۔ ارباب ظاہر جن کی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے اس لئے خدا نے کہا

وَلَا يَشۡعُرُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡہُمۡ ۳

لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے

کونتاہ نظر تو طافاً نہیں سمجھ سکتے علماء ربین اور قرین سمجھتے ہیں لیکن وہ بھی کہہ اور کہتے نہیں سمجھتے کیونکہ انشاء خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہیں ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ ان کو سمجھتا ہے، ان شہادتوں کے اقسام گنا نام علم عالم کی حد سے باہر ہے۔

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس میں اربابِ ظاہر اور اربابِ باطن میں تفاوت اور فرق ہو اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر میں فرق ہے،

اس مقام میں لوگوں نے افراط و تفریط کی ہے بعض اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ سرے سے ظاہر کو اڑا دیتے ہیں یہاں تک کہ جس قدر ظواہر اور برائیاں ہیں کل یا قریباً کل کو بدل دیتے ہیں مثلاً خدا کے ان ارشادات کو

وَكَلَّمْنَا آدَمَ يَوْمَ وَدَعْنَاهُ مِنْ جَنَّاتٍ مِّنْ دُونِ هَذِهِمْ فَقَالُوا إِنَّا كُنَّا لَمَعْلَمِينَ فَالْوَالِدَاتُ كَذَبْنَ لِلَّهِ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ	اور ہم نے آدمؑ کو کلمہ باتیں کر دیئے اور اُنکے پادریں شہادت دینے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال کو کھینچ کر تم سے چار دیو خلاف کیوں گواہی دی کھالیں کی گئی کہ ہم کو اُس خدا نے گویا کر دیا جس نے تمام چیزوں کو گویا کر دیا،
---	---

اسی طرح منکر و نیکر کے سوال و جواب میں ان پہل صراطِ حساب و کتاب۔ دوزخیوں اور بہشتیوں کے مناظر، دوزخیوں کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا کچھ خدا نے تم کو دیا ہے دو۔ ان تمام باتوں کو یہ لوگ زبانِ حال قرار دیتے ہیں۔

دوسرے گروہ نے اس قدر بہانہ کیا کہ سرے سے سب باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبلؒ اسی لوگوں میں ہیں، وہ کہن و فیکوں کی تاویل سے بھی منع کرتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے، یہاں تک کہ یمنی امام احمد بن حنبلؒ کے بعض تقلیدین سے سنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثوں کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا وہ تین موقع یہ ہیں: ۱۔ محمدؐ اسود دنیا میں خدا کا دایان ہاتھ ہو ۲۔ دو مسلمان کا دل خدائی دو انگلیوں میں ہو ۳۔

معلومین سے خدائی بوائی ہو، امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ استواء علیٰ العرش اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہوں گے۔ البتہ انھوں نے تاویل کو بلحاظ پیش بندی اور نفع عام کے سرے سے روکا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا تو قیامت قابو سے باہر ہو جاتی ہو اور اعتدال قائم نہیں رہتا، کیونکہ جب اعتدال سوا کے قدم بٹھا تو اسکی کوئی حد نہیں قرار پا سکتی اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک میں کچھ مضائقہ نہیں اساف کے نظریہ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہو وہ لوگ ان موقعوں کی نسبت کہتے تھے کہ بطرح رسالت میری طرح ہندو امام مالک سو کسی نے استواء علیٰ العرش کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا استواء معلوم ہو،

لیکن اس کی کیفیت بھول، اور اس پر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہو، بعض لوگوں نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو خصوصیات ہیں ان کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہو ان کو بحال خود رہنے دیا اور ان میں تاویل کرنے سے مانعت کی۔ یہ لوگ اشعرہ میں استعترکہ نے ان پر ترقی کی یعنی صفات آجہیز سے مرئی ہونے اور وسیع و بصیر ہونے کی تاویل کی مہراج کو غیر جمالی قرار دیا عذاب قبر میں ان۔

بل مراد وغیرہ کی بھی تاویل کی۔ تاہم احادیث کا اعتراف کیا کہ عذاب جمالی ہوگا، اور بہشت میں تمام ماکولات و مشروبات و شکومات اور دیگر لذات جمالی ہوں گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی جسمانی ہوگا، اس میں ایسا آسٹین مادہ ہوگا جس سے بدن کی کھال جل جائیگی فلاسفہ (اسلام) نے اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب میں جو کچھ وارد ہو وہ لذتیں یا تکلیفیں سب دماغی ہیں، یہ لوگ عذاب جمالی کے منکر اور بقائے نفس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ نفس جو کچھ عذاب

و ثواب ہوگا وہ جی نہیں ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں، فلاسفہ کی اس آزادی اور جلیلیوں کے جمود میں جو بین
بین کا درجہ جو وہ باریک اور غامض ہے اور اس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتی ہیں جو توفیق یافتہ ہیں
اور جو تمام چیزوں کو روایت سے نہیں بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہیں پھر جب اُن پر حقائق امور
منکشف ہو جاتے ہیں تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہیں، ان میں جو الفاظ، الجھناؤ کے
موافق ثابت ہوتے ہیں انکو بحال خود رہنے دیتے ہیں اور جو مخالف ہوتے ہیں انکی تاویل کرتے ہیں
باقی جن لوگوں کا مدار صرف روایت پر ہو تو ان کا قدم کسی مقام پر نہیں سکتا اور نہ انکا کوئی مستقر قرار
پاسکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اسکو بھی مناسب ہے کہ امام محمد بن حنبل کا طریقہ اختیار
کرے کیونکہ ائمہ اربعہ (حقیقی) کا ظاہر کا علم کا شفق میں داخل ہے، اور اس میں گفتگو کرنی طول کی پہنچتی ہے جو
اسلئے ہم اس میں نہیں لگتے۔

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہیں ہیں بلکہ واقف ہیں ان پانچوں
اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتیں چل ہو گئیں۔

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون میں جو بحث اور شتبہ مسائل کے
جو پانچ اقسام قرار دئے ان سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ چل ہو جاتا ہے، تاہم خاص اس بحث
پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہیں؟ تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہیں، اور جواز کی حیثیت سے
ان اقسام میں کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اس بحث کا
پورا فیصلہ کر دیا ہے، اسلئے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کا مستحق علم
غزالی کی کتاب
فیصلہ شریعت
خلاصہ

وہ کہتے ہیں کہ اشیا کے وجود کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) وجود ذاتی - یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان و زمین کا وجود۔

(۲) وجود حسی - یعنی وہ وجود جو صرف صاحب جس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیماروں کو بیماری کی حالت میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتیں نظر آتی ہیں امام صاحب اس کو بھی اسی قسم میں داخل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے تحت میں لکھتے ہیں۔

بَنَ حَسَّ يَمُثِّلُ لِلْكَافِرِيَّ وَالْاَوَّلِيَّ فِي الْقَبْرِ
وَالصَّغَرِ صُورَةً حَتَّى يَكُونَ لِيُؤَاهِلَ الْمَلَائِكَةَ
وَيُنَبِّئَهُمُ الْاَحْيَاءُ دَالَةً لِّهَامٍ نَّوَسِطَهَا
فَيَتَلَقَّوْنَ مِنْ اَمْرِ اَعْيَابٍ مَا يَكُنَّ لَهَا
غَيْرُهُمْ فِي النَّوْمِ ذَاكَ لَمْ يَسْتَقْ وَصَفًا
بَا طِبْهِمْ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى فَمَنْ لَهَا
نَبْرًا سَوِيًّا وَكَمَا اَنَّكَ صَلَّ اللهُ عَلَيْكَ
وَسَلَّمَ رَاى جِبْرِيلَ كَثِيرًا

بلکہ کبھی انبیاء اور اولیا کو بیماری اور صحت میں جو تصویریں صورتیں نظر آتی ہیں جو ہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہیں انہی صورتوں کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیا کو وحی اور العلم و ہدایت تو فرمائیے کہ امور جو اور دن کو خواب میں معلوم ہوتے ہیں انبیاء اور اولیا کو صفائی باطن کی جو صورتیں بیماری میں معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ حرات کہا ہے کہ میرے پاس جو بل ٹھیک آدمی کی صورت ہمارا یاد دہیاد جیسا کہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) وجود خیالی - یعنی وجود ذہنی،

(۴) وجود عقلی، مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس سے مراد قبضہ و قدرت ہوتی ہے تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہے کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہی

(۵) وجودِ شہبی یعنی خود وہ شے موجود نہیں بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے اسی
 مثال امام صاحب نے آگے چلکر خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے
 اصلی معنی دل کے خون کا جوش میں آنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزوں سے بری
 ہے لیکن خدائیں ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے۔
 ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں۔

اعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنْ تَوَلَّى قَوْلًا مِّنْ أَقْوَالِ الشَّيْخِ عَلَى دَرَجَةٍ مِّنْ هَذِهِ الدَّرَجَاتِ تَهْوِيَنَّ الْمَصْدَرِ قِيًّا وَإِنَّمَا التَّكْلِيفُ أَنَا سَيِّئُ جَمِيعِ هَذِهِ الْمَعَالِي،	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجہ میں سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہو تو وہ شرع کی تصدیق کرنے والا ہیں ہی تکلیف کرنے والا وہ شخص ہے جو ان تمام معالی کی نفی کرتا ہو،
---	--

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے یہی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن
 و حدیث میں ہو پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اُس شے
 کا وجود ذاتی نہیں ہو سکتا تو حسی پھر خیالی۔ پھر عقلی، پھر شہبی، اس کے بعد ان مراتب
 کی مثالیں دی ہیں اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گزیر نہیں۔ مثلاً احادیث میں آیا ہے
 کہ اعمال تو بے جا ہیں گے چونکہ اعمال عرض ہیں اور عرض تو انہیں جاسکتا اسلئے ہر فرقہ کو
 تاویل کرنی پڑی۔ اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہیں بلکہ اعمال کے کاغذات تو بے جائینگے
 مقررہ نے کہا نہیں وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے یہی تراز و مراد نہیں۔

امام صاحب نے جو اقسام قرار دئے وہ باہکی جو حقیقت بیان کی وہ تاویل کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آندی وغیرہ نے
تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا لیکن ایک امر بھی مستتب رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے جب تک
سیکڑوں غلطیان جو جوتی آئیں سب اسی کی بدولت ہیں، امام صاحب نے تاویل کا ایک
اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے تب
اور معانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن دلیل قطعی کا
لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑوں غلطیوں کا سلسلہ قائم کر دیا
امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیے ہیں کہ جب
وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے میں کوئی محال لازم آتا ہو، تو تاویل کرنی چاہیے،
محال کا لفظ استعمال میں محال عادی بلکہ مستعذات پر بھی بولا جاتا ہے لیکن امام صاحب محال
عقلی کی قید لگاتے ہیں جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول بھیرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے
میں محال عقلی لازم آتا ہو تب تاویل کرنی چاہیے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر
کو کافر کہتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی
نہیں اسلئے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ خود امام صاحب اور دیگر کلام نے اس
اصول کی پابندی کہاں تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب فیصل تنفر، میں حضرت جبریل
کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آئے تھے، وجود ذاتی نہیں قرار دیتے۔ حالانکہ منکر نزدیک
حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ واقعی چیز ہے۔ جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید میں

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتی ہیں حالانکہ امام صاحب کے نزدیک عبادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی میں داخل نہیں، قرآن مجید میں کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے! اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہیں حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہیں، اس قسم کی سیکڑوں شالین ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

اب ہم کو بجائے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہاں تک صحیح ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے میں کوئی احتمال لازم آتا ہے، کیا اس شخص کے ہاتھوں کا واقعی کھلا ہونا ناممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہیں لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان میں سیکڑوں مجازات ہوتے ہیں کیا ان تمام مجازات میں حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثوں کے بعد محال کی بحث باقی رہ جاتی ہے محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہیں سمجھتا خدا کا ذوہبت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے حبلیوں کے نزدیک ممکن ہے۔ موت کا جسم ہو کر میٹھا بن جانا، اشاعرہ کے نزدیک محال ہے بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے امام صاحب نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حبلیوں کو اس بنا پر کافر نہیں قرار دیا کہ وہ جن چیزوں کو مانتے ہیں مثلاً خدا کا ذوہبت اور دواشارہ ہونا وہ کوئی نفسہ محال ہے لیکن چون کہ ان کے

نزدیک محال نہیں اس لئے وہ معذور ہیں بے شہد یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے لیکن یہ فیاض دلی جنہیلوں ہی تک کیون محدود رکھی جائے حکماء اسلام کے نزدیک اعادہ معدوم عقلاً محال ہے، اس لئے وہ حشہ اجساد کے قائل نہیں ان کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہیں؟

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزاروں دہم پرستیوں کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن جنون میں لیا اس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزیں ممکن تھیں اس لئے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اسکی بنا پر سیکڑوں دور انکار باتوں کا قائل ہونا پڑا اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتوں میں ہے کہ ”آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے“ ”اسماعیلؑ اس کثرت سے فرشتے ہیں کہ ان کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے“ ”وہاں

ازل میں حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو ان کی بائیں پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت عوا کو بنایا۔“ ازل میں حضرت آدم کی پیٹھر سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی۔ پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر ان کو اُنکی بیٹھ میں بھر دیا۔“ ”سامری نے حضرت جبریلؑ کے گھوڑے کے دم کی خاک اٹھائی اور مٹی کا بچھڑا بنا کر وہ خاک اُس کے پیٹ میں ڈال دی اُس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا ہونے لگا۔“ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات میں ظاہری معنی مراد لینے میں اشاعرہ کی نزدیک، محال عقلی لازم نہیں آتا اس لئے ظاہری معنی لینے پڑے۔

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانوں کو آج دہم پرستیوں میں مبتلا کر رکھا ہے

لفظ محال کی
غلط فہمی نے
دہم پرستیوں کی
بنیاد ڈالی۔

ایک شخص اگر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دو دھڑ کر دیا، فلان مجھ کو اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھ دی، فلان کا () نے سیکڑوں مڑے زندہ کر دئے چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہیں ہیں اس لئے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ کہہ کر تسلیم کر لئے جاسکتے ہیں کہ ان میں احتمالہ کیا ہو؟ اور جب کوئی احتمالہ نہیں تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید لکھ کر خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان میں اُتر آیا ہے اس لئے زبان عرب کی جو خصوصیات ہیں سب اس میں پائی جاتی ہیں اور پائی جانی چاہیں، اس میں مجازات - استعارات تشبیہات بھی کچھ ہیں اور اُسی طرح ہیں جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لئے یہ ضرور نہیں کہ اصلی معنی مراد لینے میں کوئی احتمال لائے آنا ہو حالہ لُطْب کے معنی ٹکڑیاں چنے کے ہیں لیکن چنل خور کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ابو لہب کی جو رو کو حالہ لُطْب کہا ہے یہاں اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہیں لیکن بل لغت چنل خور کے معنی تیرہ ہیں اور کوئی شخص انکو اس بنا پر کہ فرما گراہ نہیں کہتا کہ انھوں نے بلا وجہ اصلی نخی جو حدیث ظاہری معنی سے عدول کر نیکی کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہے کہ اصلی معنی مقصود نہیں، قرآن میں ہے کہ ہم نے آسمان وزمین سے کہا کہ تمھارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہئے دو ہونے کہا کہ ہم جو خوشی حاضر فرمیں یہاں طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کا ملکہ کے اظہار کا یہ ایک پسلی

بعض جگہ سیاق کلام دلالت نہیں کرتا لیکن ظاہری معنی مراد لینے بالکل مستبعد اور
دور از کار و ہم پختی ہوتی ہے، اس لئے وہاں مجازی معنی لئے جاتے ہیں۔

تاویل حقیقت
تاویل نہیں ہے

ایک اور نکتہ ہرتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن خیزون کو تاویل کہا جاتا ہے
اُن پر تاویل کا اطلاق حقیقت میں صحیح نہیں ہوتا ویل کے معنی یہ قرار دے گئے ہیں کہ ظاہری
معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائیں، لیکن ظاہری معنی کی تفسیر غلط کی گئی ہے استعمال
اور محاورہ بھی ظاہری معنی میں داخل ہے، لیکن اس کو لوگ تاویل کہتے ہیں۔ لغت کی یہ
کیفیت ہے کہ اصل میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں، پھر تناسب اور تعلق کے
لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہیں، مثلاً انجات کے اصلی معنی بستی میں آنے کے
ہیں، لیکن قواعد اور انکسار کو بھی انجات کہتے ہیں اور اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ قواعد
کرنا گویا بستی میں آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکے گئے ہیں، پھر لفظ کو اس وجہ سے لفظ کہنے
لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہیں، یہ معانی حقیقت میں درجہ دوم کے معنی،
ہیں جن کو انگریزی میں سکندری معنی کہتے ہیں لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت میں داخل
کر لئے گئے ہیں اور اصلی معنی قرار پائے گئے ہیں، عربی زبان میں جو ایک لفظ کے دو معنی
اور تین معنی ہوتے ہیں، ان میں اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہیں لیکن مناسبت
کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہیں اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہیں،
ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابوں کی خواست آدمی بلکہ جو تھائی
سے کم رہ جائے

اس بنا پر جس چیز کو اول کہتے ہیں، وہ اول نہیں، کیونکہ جس معنی میں ان کا استعمال
ہو رہا ہے وہ بھی ظاہری ہی نہیں۔

غرض فائدہ سخن یہ ہے مشرع میں جو امور ظاہر قابل بحث نظر آتے ہیں ان کی متعدد
صورتیں ہیں بعض امور ایسے ہیں جو عام ادراک سے باہر ہیں، ان کی حقیقت کے اظہار
سے یا تو مشرعی نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ یہ
سہ سہری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہیں جو چند ان دقیق نہیں لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جہو ر
عوام کے عقین میں مضر ہے،

بعض ایسے ہیں جو اگر صاف صاف بیان کر دئے جاتے تب بھی سمجھ میں آسکتے
تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ
موثر اور موقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظوں سے ادا کیا گیا کہ جب
وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ”ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے“ امام غزالی اس صورت
کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ
کو اسی قسم میں داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی
استعمال لازم نہیں آتا۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ امام صاحب کی یہ رائے ایسا العلوم اور کتب کلاسیہ
کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جہاں القرآن اور مفسرین وغیرہ میں واقعات قیامت کے تعلق

ان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

بعض جگہ حال کو زبانِ قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت میں جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ فرد

نہیں کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسی یا خیالی یا عقلی یا استہبی

مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بے تفصیل بیان کیا،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں،

روحانیات یا غیر محسوسات

حک۔ وحی۔ واقعات قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزیں قرآن مجید میں، مذکور ہیں، اس لئے ان پر ایمان لانا واجب، اور شرط اسلام ہے اور اس لئے تمام اسلامی فرقوں میں اجمالیہ عقائد مسلم ہیں، لیکن چونکہ قرآن میں ان کی کیفیت مذکور نہیں اس لئے ان کی تشریح مختلف فرقوں نے مختلف طریقوں سے کی

استعارہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شیء موجود ہو اور نظر بھی آئے

اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزیں موجود ہوں اور نظر نہ آئیں۔

شرح مواقف میں رویت باری کی بحث میں ہے

لَا تُسَبِّحُ بِحُجُوبِ الرُّؤْيَىٰ وَحَيْدٍ | ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ رویت کی جب آئینہ نہیں ہو تو

الْحَيَاةِ الشَّرِيفَةِ وَالْمَعْلُومَةِ

تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعویٰ جس قدر عجیب و غریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے،

لَا تَأْتِي الْبَشَرُ الْكَافِرِينَ الْبَعِيدِينَ صَغِيرًا وَلَا كَبِيرًا
کیونکہ ہم بے جا کہہ رہے ہیں اور اس کی طرف

خَلِيقًا لَا تَأْتِي الْبَشَرُ الْكَافِرِينَ صَغِيرًا وَلَا كَبِيرًا
یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم کو اس کے بعض براہ نظر آتے ہیں اور

مَعَ تَسَاوِي الْكُلِّ فِي حُصُولِ الشَّرِيفَةِ
بعض نہیں جانتے کہ براہ نظر ایک ہی ہے تمام غرضیں پاؤں جاتی ہیں۔

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہیں جنہوں نے آج قوم کی قوم کو نظر بند کر دیا اور ارمیوں

دور از کار باقون کا مستعد بنا دیا ہے۔

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے

کیونکہ کمال ہو سکتے تھے، امام غزالی، شیخ الاسلام، شاہ ولی اللہ صاحب اور ائمہ عقیدتین نے

اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقیدہ کو کھل دیا۔ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ شریعت میں جن

چیزوں کا ذکر ہے ان کی دو قسمیں ہیں، محسوسات عام غیر محسوسات عام۔ رویت احسان

اور تجربہ یہ تمام چیزیں صرف محسوسات عام سے متعلق ہیں، غیر محسوسات کو ان چیزوں سے

واسطہ نہیں لیکن بانیہ غیر محسوسات بھی حقائق وجود ہیں کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو خارج

میں موجود یا محسوس عام نہ ہو وہ واقعہ میں بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر مبنی ہے

لیکن چونکہ حقائق حقیقہ کے لئے آخر کسی ایک قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لئے

محققین اسلام نے اس کے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو وجود حقیقی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

روحانیات کا
وجود کس قدر ہے

تاویل کی بحث میں اُن کی اصلی عبارت نقل کرتے ہیں کہ یہ وجود صرف انہیں
شخص کے ساتھ سے تعلق رکھتا ہے

انہی ادا نامہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرنے ہوئے
تھے حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت میں دیکھا تھا، امام صاحب بلکہ اسی وجود
کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ چنانچہ تاویل کی بحث میں، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم
نقل کرتے ہیں۔

مفسرین علی غیر اہل میں امام صاحب نے معجزات کی جہت میں اس وجود کو
خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ لِّسَانِ الْحَمْدِ يَصِفُ وَمُسَاهِلُ حُضُونِهَا
عَلَى سِرِّ الْقَبِيلِ وَهَذِهِ خَاصَّةُ الْاَكْبِيَاءِ وَكَوْنُهَا عَلَيْهِمْ
الصلوة والسلام كما ان لسان الحمال يتمثل
في المنام لغير الاكبياء ويسمعون صوتا وكذا
الاكبياء عليهم الصلوة والسلام
يدرون ذلك في اليقظة ومخاطبهم هذان
الاكبياء في اليقظة

زبان حال، بطور مثال کے مشابہ اور محسوس جو باقی ہوا
یہ انبیاء اور رسل کا خاصہ ہے جس طرح کہ خواب کی حالت
میں نہایت حال عام لوگوں کے لئے متمثل ہو جاتی ہے
تو وہ لوگ آوازیں اور باتیں سنتے ہیں،
تو انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کو پیدا روی کی حالت میں
دیکھتے ہیں اور یہ چیزیں اُن سے بیداری کی حالت
میں خطاب کرتی ہیں۔

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ الغزالی
میں۔ سب امام صاحب کے یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔

شیخ الاشراف کا یہ فریب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے جس کو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہیں، انکا استدلال یہ ہے کہ قوت خیالہ ان یا انہ میں بدستور ترین نظر آتی ہیں، وہ دو حقیقت تخیلہ اور اینٹیز میں موجود نہیں، بلکہ یہ چیزیں ان کے تصور کا ایک آلہ ہیں اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ واقعی چیزیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہاں ان صورتوں کا ہملی وجود ہے، شیخ الاشراف، جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم میں شمار کرتے ہیں، ان کے نزدیک حشر اجساد، اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم میں، اہل سبہ چنانچہ حکمۃ الاشراف میں عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

وَرَبِّمُحَقِّقُ بَعْثِ الْأَجْسَادِ وَالْأَشْبَاحِ قیامت میں اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح بابائی اور نبوت
الْوَحْدَانِیَّةِ وَجَمِيعِ مَوَاحِیِدِ الْمَبْعُوثِ کے تمام دعوے، اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہیں۔
اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں،

وَمَا يَنْصَحُ الْمَكَاشِفُونَ كَالْمَكَاشِفَةِ الْأَوَّلَةِ وَأَوَّلُهَا
مِنْ الْأَصْوَافِ الْأَلْوَانِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَفْكَرَ
أَنَّ مَوْجِدَّ هَوَا فِي مَوَاحِشِ فَاتِ الْهَوَا تَمُوتُ
بِتِلْكَ نَفْسٍ لَمْ تَلِدْ بِلَدِنِ الْبَاحِ لَا تَنْصَوِرُ
فَهُوَ مِثْلُ الْمَيِّتِ أَيْ الْمَوْجِدِّ فِي عَالَمِ الْمَيِّتِ
اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو بہشت تک وازین
ہستہ ہیں ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دماغ پر
ہوا کے توجہ سے پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ہوا کا توجہ جو
اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرائے خیال میں نہیں،
آسکتا بلکہ وہ اس آواز کی تصویر جو عالم امثال میں موجود ہے

لے اس عبارت میں جو تفسیر دی گئی ہے، شرح حکمۃ الاشراف کے ہیں۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وَمَا يَتَّبِعُ إِلَّا نُبَيَّاتٍ وَلَا كُفَيَّاتٍ وَغَيْرُهُمْ مَرِئَاتٍ
 الْغَيْبَاتِ فَإِنَّهَا قَدْ تَرَدَّدَتْ فِي أَسْمَاءِ مَكُونٍ
 وَقَدْ تَرَدَّدَتْ بِسَمَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُونُ لَكِنْ يَدَا
 قَدْ يَكُونُ هَاكِلًا وَقَدْ يَتَأَهَّدُ قَدْ صَوْرَا
 الْمَكْنِيَاتِ وَذَلِكَ بِرُفُوفٍ صَوْرًا حَسَنَةً لَيْسَ يَدَا
 تَحَا طَبَهُمْ فِي عَائِدَةِ الْحُسْنِ فَتَسْلِمُهُمْ بِالْغُيُوبِ
 وَقَدْ تَرَدَّدَتْ فِي عَائِدَةِ الْحُسْنِ فَتَسْلِمُهُمْ بِالْغُيُوبِ
 فِي عَائِدَةِ اللَّطْفِ وَقَدْ تَرَدَّدَتْ فِي عَائِدَةِ الْحُسْنِ
 سَتَا هَعَلَةً جَمِيعَ مَا يَدَا فِي سَلَامٍ لِحَالِ الْخُيُوبِ
 وَالْأَصْنَانِ وَالْأَصْنَانِ الْعَظِيمَةِ وَالْأَصْنَانِ الْخَالِصَةِ
 شاه ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انھوں نے ان انصوص کو جن میں
 اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ ان انصوص پر جو شخص
 نظر ڈالے گا اس کو مجبوراً تین باتوں سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ
 محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے، «شاه صاحب اس عالم مثال کو محمد تین کے
 اصول کے موافق بتاتے ہیں، یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا لفظ آتا ہے جو
 اس کے حاسہ سے باہر اس کو وجود نہیں آیا کہ یہ واقعات بطور پیش کے بیان ہوئے ہیں

شاه ولی اللہ
 رحمہ اللہ

ان احتمالات کو لکھ کر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، مین اسکو اہل حق سے نہیں سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے علماء و پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کر لیں تو بڑا مرحلہ طے ہو جائے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اُٹھے کہ۔

شکرا یردکے سیان فی الصلح اقتاد

بہر حال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔

بَابُ دَرْعِ عَالِمِ الْمُتَالِ

عالم مثال کا ذکر

اعْلَمْنَا أَنَّهُ ذَلِكَ أَحَادِيثًا كَثِيرَةً لَا هَلَاكَ
فِي الْوُجُودِ عَالِمًا عَزِيزًا عَزِيمًا يَمْتَلِكُ دَيْنَهُ
الْمَعَانِي رِجَالًا وَسَامِعًا مَنَابِقَ الْقُصْفِ
وَيَحَقِّقُ هُنَالِكَ الْأَشْيَاءَ قَبْلَ وُجُودِهَا
فِي الْأَرْضِ نَحْوًا مِنْ التَّحْقِيقِ فَاذًا
وُجِدَتْ كَمَا تَحْتَجِي هِيَ بِسَمْعِ
مَنْ مَعَانِي هُوَ هُوَ وَإِنْ كُنْتَ إِذَا مِنْ
الْأَشْيَاءِ وَمَا لَا جِسْمَ لَهَا وَنَدَا الْعَامَّةَ
تَنْقَلِبُ وَتَنْزِلُ وَلَا يَرَاهَا يَجْمَعُ النَّاسُ قُلُوبًا
أَبَى حَمَلًا لَكَ عَلَيْهِ سَلَّمَ لَمْ يَخْلُقْ اللَّهُ الرَّحْمَ

جاننا چاہئے کہ بہت سی حیثیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ
کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مخفی ہو
اور زمین معانی اُن اجسام کی صورت میں شکل ہوتے
ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہیں پہلے ہیں
عالم میں اشار کا ایک گونہ جو دہولیتا ہو تب دنیا میں اُنکا
وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیا وی وجود ایک تباہی بالکل
اس عالم مثال کے وجود کے۔ ہاں ہوتا ہو۔

اگر وہ اشیاء جو ہم کے نزدیک جسم نہیں لکھتے، اس عالم
میں نقل ہوتی ہیں اور اترتی ہیں، اور عام لوگ ان کو
نہیں دیکھتے، آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب خدا فی ہم کو

قَامَتْ فَقَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَارِ بِكَ سَنَ
 الْقَطِيعَةِ وَقَالَ إِنَّ الْبَقْرَةَ وَالْجَمَلَن تَارِيحَانِ
 بَيْنَ مَا لِقِيْمَتُهُمَا كَمَا هُمَا مَمْلُوكَانِ أَفَعِدَّ بَنَانُ
 فَوْقَانِ مِنْ طَبْرِ صَوَابٍ مُتَوَجَّهَانِ غَرِيْبَاهُمَا
 وَقَالَ فَحَيُّ الْاَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَحَيُّ الصَّادِقِ
 فَحَيُّ الصَّادِقَةِ ثُمَّ فَحَيُّ النَّصِيحِ الْمُحِبِّ
 وَقَالَ إِنَّ الْمَعْرُوفَ وَالْمُنْكَرَ لَيَحْتَقِرَانِ
 ثُمَّ تَصْبَحَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَاَمَّا
 الْمَعْرُوفُ فَهُوَ فَيَسْتَلْ هَلْهُ دَامَا الْمُنْكَرُ فَيَقُولُ
 اَيْلِمُوْا لَيْلِمُوْا كَيْسْتَطِيعُوْنَ لَهُ الْاَعْرَافُ مَا
 قَالَ اِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَجْعَلُ الْاَيَّامَ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ كَهَيِّأَتِهَا وَيَجْعَلُ الْجُمُعَةَ زَهْرَةً
 مَسِيَّةً وَقَالَ يُوْنُسُ بِاللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 فِيْ صُوْرَةِ عَجُوْزٍ نَسَمَطُ اَعْدَرَقَا عَائِيْكَ
 مُشَبَّهَةٌ خَلْقُهَا وَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرَى
 فَاِنِّيْ كَاَدْرِيْ مَوَاقِعَ الْفَنَاءِ خِلَالِ يَوْمِيْ
 كَمَا رَفَعَ الْقَطْلُ وَقَالَ فِيْ

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
 جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ منو رہا ہے
 ہے، اور آنحضرت نے فرمایا کہ سورہ بقراء اور آل عمران
 درست ہیں، بادل، یا سائبان، یا اسف بستہ پر بندگی
 شکل میں آئینگی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریگی
 جنھوں نے ان کی تلاوت کی ہے، اور آنحضرت نے فرمایا جو کہ قیامت
 میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئینگی، پھر خیرات، پھر
 روزہ آخر۔ اور آنحضرت نے فرمایا نیکی اور بدی دونوں مخلوق
 ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی ہو جائیں گی، سو
 نیکی نیکی والوں کو بشارت دیگی، اور بُرائی بُرائی والوں کو
 کھلی کر ہٹو ٹھو لیکر وہ لوگ اس سے بچے ہی رہیں گے۔ اور آنحضرت
 نے فرمایا جو کہ قیامت میں آجئے دن چرن وہ معمولی صورت
 میں حاضر ہوں گے لیکن جبکہ کا دن چمکتا دکھائی دے گا۔ اور
 آنحضرت نے فرمایا جو کہ قیامت میں آئیں وہ ایک بڑھیا کی صورت
 میں لائی جائیگی جس کے ہال کھڑی، دانست نیلے اور صورت بُرا
 ہوگی۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو بین دکھتا ہوں کیا تم
 سمجھ لیتے ہو بین دکھ رہا ہوں کہ فتنے، فتنہ سازوں پر اس طرح

فِي حَدِيثِ الْأَسْرَارِ فَإِذَا أَلْبَعْنَا نَهَارًا
 نَهَارًا بَاطِنًا وَنَهَارًا ظَاهِرًا
 فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا بَصِيرُ قَالَ أَمَّا
 الْبَاطِنُ فَفِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرُ
 فَالْبَيْتُ وَالْمَرْأَةُ وَقَالَ فِي حَدِيثٍ
 صَلَوةُ الْكُوفِيِّ صَوَّرَتْ فِي الْجَنَّةِ
 وَالنَّارِ وَفِي لَفْظٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ جَدَارِ
 الْقَبْرِ وَفِيهِ أَنَّهُ لَا يَسْطَرِكُ إِلَّا لِنِسَاءٍ
 تُسَوِّدْنَ أَمِنْ الْجَنَّةِ وَأَنَّه تَلْعَلُحُ
 مِنَ النَّارِ وَلَهُمْ مِنْ حَرِّهَا وَدَرَايَ
 فِيهَا سَارِقُ الْحَبِيجِ وَالْأَمْرُ أَنَّهُ
 تَلْبَطُتِ الْبَهْرَةُ حَتَّى مَاتَتْ وَدَرَايَ فِي الْجَنَّةِ
 أَمْرٌ أَنَّهُ مَوْسِمَةٌ سَقَّتِ الْكَلْبَ وَمَعْلُومٌ
 أَنَّ بِلَاسَ الْمَسَافَةِ لَا تَسْبَحُ لِلْجَنَّةِ وَالنَّارِ
 بِإِعْبَادِهِمَا الْمَعْلُومَةِ عِنْدَ الْعَلَمَةِ
 وَقِيلَ حُصَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ
 وَحُصَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

برس رس میں جس طرح اُدل کے قطرے اور متخفرت
 نے سراج کی حدیث میں فرمایا کہ ایک چار نہرین نظر میں
 دو نہرین اندر تھیں اور دو باہرین سے نہرین سے پہنچا کہ یہ
 کیا ہو، بولے اندر کی نہرین قوجت کی ہیں اور باہر کی نیل
 اور فرات ہیں اور متخفرت کے سون کی ناز کے متعلق
 فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میری سامی جہم کہ لائی گئیں اور
 ایک روایت میں جو کہ یہ دوزخ قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں
 بہشت دوزخ میں ہو کر آئیں یہ سب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت میں
 انکو دکھایا کہ خوشہ فوڑوں لیکن دوزخ کی گرمی کی بڑھ سے
 رنگ گیا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے حاجیوں کو رکاوٹ
 ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جسے ایک بی کو باز رکھا رکھا
 تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جسے تھو کو
 پانی پلا رہا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت
 جو عام لوگوں کے خیال میں جو وہ اس قدر ساف و دینی
 کتبہ کی چار دیواری میں نہیں سما سکتی اور حدیث میں
 ہے کہ بہشت کو کمر و بات نے اور دوزخ کو شہوات نے
 چاروں طرف سے گمراہ کیا۔

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں۔ اور جبریل
میں سے کہہ بلا اترتی ہو تو وہ اس کا توڑ پڑتی ہو اور خدا
میں سے کہہ خدا نے فعل کو پیدا کیا اور اس کو کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہہ کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور خدا
میں سے کہہ یہ دونوں کتابین پروردگار عالم کی طرف سے
ہیں الخ اور حدیث میں جو کہ موت ایک نیند قسم کی شکل
میں لائی جائے گی، پھر وضع اور بہشت کے درپن
نیز کر دی جائے گی۔

اور خدا نے فرمایا کہ مہمنے روح، میرے پاس بھیجی
تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی اور
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریل آنحضرت کے سامنے آئے
تھے اور اپنے بائیں کرتے تھے اور کوئی انگوٹھیں دیکھنا
اور حدیث میں جو کہ قبر ہفتاد درہم کا درگڑ پڑتی ہو جاتی
ہو یا اس قدر مٹ آتی ہو کہ مردہ کی پسلیاں بھر کس
ہو جاتی ہیں۔ اور حدیث میں جو کہ فرشتے قبرین آتی ہیں اور
مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا حال پوچھ کر اس کے
اتہو، اور نزع کی حالت میں فرشتے سر پر باگری کا کپڑا

نُفْسًا مَّحْجَرِيْلًا اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِمَا وَقَالَ
يَنْزِلُ اِلَيْكُمْ مَعِيَ الْجُمُهَا الدُّعَاءُ وَقَالَ
حَلَقَ اللَّهُ اَعْقَلُ فَقَالَ لَهُ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ
وَقَالَ لَهُ اَذْبُرْ فَاَذْبُرْ وَقَالَ هَذَا اِنْ كُنَّا
مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَلْحَدِيْثُ وَقَالَ
يُوْنُسُ يَلْكُوْتُ كَاَنَّهُ كَبُشْرُ مَيْمَنٍ
بَيْنَ الْجَمَّةِ وَالسَّارِ وَقَالَ لَعَالِي
فَاَسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحًا فَاقْتَمَلَتْ لَهَا
اَبْسَلُ سُوْبِيَا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيْثِ
اَنَّ جَبْرِيْلَ كَانَ يَطْمُرُ لِلرَّبِّيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُرَاوِي لَهُ فَيَكْفُوْهُ وَلَا يُوَاوِي
سَاوِيْلًا سَائِسًا وَاَنَّ الْقَبْرَ يَفْتَحُ سُبْعِيْنَ
ذِرَاعًا اِلَى سَبْعِيْنَ اَوْ يَصِيْحُ حَتَّى تَخْتَلِفَ
اَصْلَاحُ الْمَقْبُوْرَاتِ اَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَنْزِلُ
عَلَى الْمَقْبُوْرِ قَسَمًا وَاَنَّ عَمَلَهُ يَفْعَلُ
لَهُ وَاَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَنْزِلُ اِلَى الْمُخْتَفِيْنَ
يَا بَيْدُ يَهْرُ اَحْيَا يَرَاوِي اَوَّلَ الْمَسْحِ

دَاۤ اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَمُعَرَّبٍ مُّقْبَرٍ مُّطَرٍ قَرۡنَ
 حَدِیۡدٍ فِیۡجِیۡجٌ صَیۡحَتُهُۥ تَسْمَعُهَا سَابِقِیۡنَ
 الْمُسْمَرِیۡنَ وَالْمُعَرَّبِ وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ
 عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ سَطَّ عَلَی الْكَافِرِ فِی قَبْرِہٖ
 یَسْعَوُ وَیَسْعَوُنَّ یَسِیۡنَ اَتَهۡنِیۡسُ وَكَلَدُ غَدَۃٍ
 حَتّٰی یَقُوۡمَ السَّاعَةُ وَقَالَ اِذَا اُدۡخِلَ الْمِیۡتُ
 الْقَبْرَ مِیۡتٌ لَّا اَتَمَسُّ عِنۡدَ عَرۡۢیۡہِۡمَا فِیۡجَعَلُ
 مِمَّنَّ حَیۡئِیۡہٗ وَیَقُوۡلُ دَعُوۡنِیۡ اَصۡلٰی دَاۤسِفَہٗ
 فِی الْحَدِیۡثِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَجۡلِیۡ بَصُوۡرَ کُلِّ شَیْءٍ
 اَ اَهْلُ الْمَوْفِیۡہِ... وَاتَّ النَّبِیُّ ﷺ اللّٰهُ عَلَیْہِ
 وَسَلَّمَ یَدۡخُلُ عِنۡ رِیۡثِہٖ... جَوَّ عَلَی کُیۡسِیۡہِ
 اَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُکَلِّمُ اٰدَمَ شَفَاہَاۤیِ
 حَیۡرَہٗ اَلَا یَخۡصُوۡ کَلۡہَہٗ وَالنَّاطِقِیۡ
 ہٰذِہٗ اَلَا حَۃِیۡثَ بَیۡنَ رَاحِدَیۡ تَلۡکِ اِمَّا
 اَنۡ یُّفَرِّطَ اَہۡلَہَا فِیۡضِلَّ اِلٰی اِمَّا یَتَبَاتِ عَلَیہِ
 ذُرۡیَتُہٗ سَاۡنَہٗ وَہٰذِہٗ اَلَا یُتَقَصِّہَا
 فَۡاَعِدَ اَ اَهْلُ الْحَدِیۡثِ

لکھتے ہیں، اور فرشتے مردہ کو بوجھ کے گز سے مارتے ہیں
 مردہ شور کرتا ہوا اور اس کے شور کی آواز مشرق سے منتر
 تک کی چین سنتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ تین کافر
 کے اوپر ننانوے اڑدھو سٹا ہوتے ہیں جو اس کو کاٹتی
 ہیں تا بقیامت۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مردہ قبر میں آتا
 ہو تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے، وہ اٹھ بیٹھتا ہے
 اور کہتا ہے کٹھم وین نماز پڑھ لوں۔ اور حدیث میں اکثر
 جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں
 لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا۔ اور آنحضرت خدا کے پاس
 اس حالت میں جائیں گے کہ حلاجی کر سی پڑھتا ہوگا اور
 یہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات پیت کریگا، اس قسم
 کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا
 ان حدیثوں کو جو شخص دیکھ گا کہ ان باتوں میں سے ایک
 نہ ایک بات اس کی خاموشی پر کی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور
 اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا چاہیگا
 جس کی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت
 وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے چنانچہ

نَبَّهَ عَلَى ذَلِكَ السَّيِّئِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى
 وَبِهَا أَقُولُ وَلَيْسَ أَذْهَبُ أَذْهَبُ أَذْهَبُ أَذْهَبُ
 إِنَّ هَذِهِ أَوْقَاعٌ تَرَى بِحَسْرِ الْمَوَاقِفِ
 وَتَقْتُلُ لَهَا بَصِيرَةً إِنَّ لَهَا تَكُنْ حَارِجَ
 حِسْمِهِ وَقَالَ يَنْظُرُ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ أَنْ
 مَسْعُودِي فِي قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ
 بِدُخَانٍ مُبِينٍ إِنْهُمْ أَصَابَهُمْ جُحُومٌ
 فَكَانَ أَحَدُهُمْ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى
 كَهَيْئَةِ الدَّخَانِ خَانَ مِنَ الْجُحُومِ وَبَدَأَ كَرُمُ
 عَنْ ابْنِ الْأَعْتَمِشِ أَنَّ كُلَّ حَدِيثٍ يَشُكُّ
 جَاءَ فِي النَّقْلِ وَالرَّوْيَةِ فِي الْحُسَيْنِيِّ
 أَنَّهُ يُعَيِّرُ الْأَصْبَارَ خَلْقَهُ فَيَرَوْنَهُ
 ذَا الْأَمْشَاجِ وَيَسَاجِ خَلْقَهُ
 وَيُحَاطِبُهُمْ وَهُوَ عَزِيزٌ مُتَعَبٍ يَنْزِلُ
 فَطَمَنَةٌ وَلَا مُنْتَقِلٌ يَفْعَلُ مَا أَرَادَ
 اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَجْعَلُهُ
 مَسْتَبَلًا لِنَفْسِهِ وَمَعَانٍ أُخْرَى

سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا جو اور خود میری بھی ہے
 اسکا وہی نہیں ہے۔ یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھو والے
 کے ساتھ ہیں واقعات کی یہی شکل ہوگی اور اس کی نظر
 میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوئے، گو اس کے ساتھ باہر انکا جو
 نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اس دن مٹا
 دھواں بن کر آئے گا، اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعود
 اسی کے قرب قریب لئے ہیں، یعنی کہ لوگوں پر غلط چڑھا
 تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوکا کیوں
 سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا، ابن عباس
 (مشہور محدث تھے) سمروہی کہ ابن عباس نے فرمایا کہ اترے
 اور میری ہونیکا ذکر فرمائیے میں کہ خدا مخلوقات کی نظریں
 ایسا تغییر پیدا کروں گا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھنے لگے کہ وہ
 اتر رہا ہو جیسا کہ فرمایا، اور اپنی بندوں کے نقل و خطا
 کر رہا ہو، حالانکہ خدا کی جوشان پر نہ اس میں تغیر ہوگا نہ خدا
 منتقل ہوگا، اور یہ اس طرح ہوگا کہ لوگوں میں کہ خدا ہر چیز پر
 قادر ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تشبیہ کے ہیں
 کی گئی ہیں جنہو اور طالب الہدٰی میں نہیں کرنا مقصود ہے

لیکن جو شخص، صحت اسی ہمال پر بس کرنا تو بین السکول
حق میں سے شائبہ بن کرنا۔

وَكُنْتُ اَدْنٰى الْمَقَرِّهِ صَلَّاتُ الشَّيْخِ
مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قاتل ہیں جو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ
بیچ میں قرار دیتے ہیں اور اس کا نام ہرنز رکھتے ہیں چنانچہ وحی۔ رویت ملا کہ معراج نبوی
براق، سدرۃ المنتہی انہا ربنت وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر سی عالم کی بنا پر کی ہے
حجۃ اللہ بالانعمین جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہے
کہ آنحضرت پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر
نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

باقی مصلحہ دگھنٹے کی آواز تو اس کی حقیقت ہے جو کہ
حواس پر بس کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہنچتا ہے وہ شوش
ہو جاتا ہے قوت بصارت کی تشویش یہ کہ سرخ۔ زرد
سبز رنگ نظر آئیں۔ اور قوت سن کی تشویش یہ کہ کبھی
آوازیں سننے میں آئیں۔ مثلاً طنین مصلحہ عجمہ۔
پھر جب اثر پورا ہو چکا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہے، باقی فرشتہ
کا ہمہ رہ کر آتا ہے اس عالم کی بات ہے ہمیں عالم مثال،
اور عالم شہادت کی بعض باتیں بھی ہوتی ہیں اور یہی وہ ہے

اَمَّا الصَّلَاةُ فَحَقِيقَةٌ اَنَّ الْحَوَاسِيَ لَا
صَادِقَاتٍ اِنَّ قُوَّتَهُ تَشَوُّشٌ فَتَشَوُّ
قُوَّةَ الْبَصَرِ اَنْ يَرَى الْاَوَانَ السَّمْعُ وَالصَّمْعُ
وَالْخَفَرُ وَتَشَوُّشُ قُوَّةِ السَّمْعِ اَنْ يَسْمَعَ
اَصْوَاتَ مُجَمَّعَةٍ كَالطَّنِينِ وَالصَّلَاةُ صَلَاةٌ
الْحَمْدُ هَمَّةٌ لَا اَدَامَ الْاَفْرَحُ حَصَلَ الْعِلْمُ وَاَمَّا
اَقْتُلْ نَهْوِي مَوْطِنَ نَجْحَ بَعْضُ الْحُكَامِ
الْمِثَالِ وَالسَّهَادَاتِ وَالْاِلَاصِ

کان یری الملک، بعضهم دون بعض - کوفتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہیں۔

پھر معراج کے متعلق کہتے ہیں

وَكُلُّ ذَلِكَ بِحَسْبِ مَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

الْبَيْتِ وَلَكِنْ ذَلِكَ فِي مَوْطِنٍ هُوَ بَرَزَجٌ بَيْنَ

الْمَلَأِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ لَكُلِّهَا هُوَ صَلَواتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَحْكَامُ الرُّوحِ وَقَمَلُ الرُّوحِ وَالْعِلَاقَةُ الرُّوحِيَّةُ

اجساد وکلی ایک پائن لکھن واقعہ بین نیکال لوقاع

تَعْدِيَّةً وَدَلَّ طَرَفٌ قَبْلَ وَدَلَّ قَبْلَ وَدَلَّ قَبْلَ وَدَلَّ قَبْلَ

مَحْضُومٌ نِيْلُكَ دَوَالِجُ كَانَ لَكَ لَوَيْكُو الْاَهْدَرُ

اور یہ سب واقعات ایک جسم پر حالت یدیری میں گذرے

لیکن اس عالم میں جو مثال اور شہادت کی بجائے بیچ میں ہے

اور دونوں کے مابین کا جامع ہی تو جسم پر روح کے واقعات

ظاہر ہوئے، اور روح اور روحانی باتیں جو ہم کو نظر آتی ہیں

اسی وہ ہیں ان واقعات میں جو ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہیں

اور عزتیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے

واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہیں

اسکے بعد انھی اصول پر شاہ صاحب نے ہدایہ - ملاقات انبیاء - روح افلاک - سدرۃ المنتہی

بیت المہر وغیرہ کی تشریح کی ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسی قدر خلط و جھٹ ہے

ہے انھوں نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات و استعارات

کو بھی عالم مثال میں داخل کر لیا ہے مثلاً یہ حدیث کی قیاست میں موت بینڈھے کی صورت میں

آئے گی اور برزخ کو دی جائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود

ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہیں، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار

دیتے ہیں۔

امام غزالی شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان میں جو جنسی تفاوت ہے
اُس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت میں جو امور بظاہر خلاف عقل ہیں
اُن کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) اکثر جگہ بعض مجاز و استعارہ ہے مثلاً جمادات کی تسلیح، آسمان و زمین سے خطاب
اور انکا جواب۔ ازل میں بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر ٹھکانا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرا میں ادا کیا ہے، اور یہ طریقہ تمام مذاہب میں مشترک
ہے، انسان مرتب اُن چیزوں کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے جو اس سے محسوس کی ہوں اُنکو
جب ان چیزوں کا بیان کرنا ہوگا جو آئندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اُسکے تصور سے بگل
بالا ترین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرا میں ادا کیا جائے مثلاً موت کے
بعد جو راحت و رنج ہوگا اس کو بجز اُسکے کہ باغ و انہار اور کرشمہ و مار سے تعبیر کیا جائے اور
کیا طریقہ ہے، علامہ ابن قیمیہ ٹھٹھ ظاہری ہیں لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ

قُرْآنُ اللّٰهِ جَمْعٌ لِّدَعْوَى اِجْمَاعٍ وَعَدٌّ لِّدَعْوَى اِجْمَاعٍ
اَلْحَقُّ مَوْلَا الْعَدْلِ وَبَدِيعُ الْخَيْرِ اَيُّهَا الَّذِي دَلَّيْتُكَ
وَبَدِيعُ الْخَيْرِ اَيُّهَا الَّذِي دَلَّيْتُكَ
فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ مَا وَعَدَ نَابِيَهُ -
دُنْيَا مِثْلَ مَا وَعَدَ نَابِيَهُ -

اور فرس کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزوں سے ہم
سجھ سکیں تو ہم بھی جانتے ہیں کہ چیزیں دنیاوی چیزوں کا اندز

لہٰذا رسالہ شیخ حرث نزول۔

نیز میں جوامع
عقل پرچہ نمبر ۱

لَيْسَ مِثْلُ هَذَا حَتَّى قَالُوا لَيْسَ يَكُونُ هَكَذَا
فِي الدُّنْيَا حَتَّى فِي الْجَنَّةِ لَا كَمَا هُوَ

مولانا روم نے جیسے بڑھ کر شریعت کا راز دیا، کون ہوگا اس مضمون کو مختلف موقع پر

نہایت عمدہ مثالوں کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں

تجربیات اور صاف کمال	کس نہ اندر خبر آتا رہ مثال
طفل باہست نہایت را	جز کہ کوئی بہت چون حلواتا
طفل دروخی زن بسر	جز کہ کوئی بہت آن خوش چون شر
کے بودا بہت ذوق جمارع	مثل مہیات ملوا۔ اسطماع
ایک نسبت کردار دوسے خوشی	باتوان عاقل کہ تو کو دکوشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ سب کوئی اس کو سیکھ کر تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان میں باتیں کرنی پڑتی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

بھفضل نو۔ پدر "نی تی" کند	گرچہ عقلمند ہند سیکھتی کند
کم نکرد و فضل استاد از ملو	گر الف چیرے ندارد، گوید ملو
انہی تعلیم آن بستہ دہن	گوید او مدحقی دہوز کلن
در زبان او بایا مدن	بن خود بدون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں

لے یعنی الف مافیہ بکیر طین ایک

چون کہ باکوک سرد کارت قتاد
ہم زبان کو دکان باید گشا د
کہ برو کتاب تا مرغت خرم
یا موز و جوز و فسق اورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہیں جو انبیا کو ہامی صورت میں محسوس ہوتی ہیں، یہی چیز

ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہیں اور امام غزالی اسکا نام مثل خیالی رکھتے ہیں۔ اور چون کہ یہی صورت کنیر الواقع ہے اور چونکہ ملاحظہ کو اسی پر زیادہ اعراض ہے۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ مال کے رو سے اس قابل پر کوئی اعراض وار نہیں ہوتا۔ مثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ ”معانی مثل ہو کر نظر آتے ہیں اور آوازیں اور باتیں سنائی دیتی ہیں جیسا کہ خواب میں ہوتا ہو“ خواب کی حالت سے کو کسی کا کار نہیں ہو سکتا۔ اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ خواب میں یہ حالت کیونکر پیش آتی ہے، اس کی وجہ صریح یہی ہے کہ خواب میں جو اس ظاہری حطل ہوتے ہیں اور روح یا نفس بے اوقات تخیل نہ ہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق و محویت کی وجہ سے بیداری میں بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہیں کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ ادرون کو بھی محسوس ہوں، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیاء کے حواس کے ساتھ محسوس ہیں اور اس صورت میں ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہیں ہے، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

وَالَّذِي وَاللَّيْسَ تَخْلُفَ صَوْرَةَ الْحَيَاةِ فِيهِمْ
 وَفِيهَا رَأَى الْجَنَّةَ مُشْتَرِكًا وَالْثَّانِي
 فِي الدِّمَاغِ عَلَى مَقْعِدَةٍ مِنْ شَهَادَةِ الْبَصَرِ
 وَتَقْصِيصِهَا فِي الْكُلْبِ الْأَسْبَنِ عَلَى بَنِي
 سَعْيٍ يَحْصُلُ صُورَةُ الْإِنْسَانِ فِي الْأَسْبَنِ وَفِي
 الْأَسْبَنِ الْإِنْسَانُ مِنْ بَدَنِ يَحْصُلُ تَقْصِيرُ
 الْإِنْسَانِ عَلَى عِلْمِ الْوَالِدِ وَهَذَا إِذَا نَلَيْتَ
 مِنَ الْقَوْمِ وَوَرَدَتْ عَلَى الْجَنَّةِ الْمُشْتَرِكِ
 شَهَادَةُ يَكْتَسِبُهَا فِي الصُّورِ الْخَارِجَةِ
 هَذِهِ الصُّورُ الْوَقْفِي فِي الْحَرَجِ لَكُنْ شَهَادَةُ
 لِكُلِّهَا خَيْرٌ جَيِّدٌ لِكُلِّهَا سَطِيحَةٌ فِي الْحَرَجِ الْخَيْرِ
 فَتِلْكَ الصُّورَةُ الْوَقْفِي لَكُنْهَا إِذَا وَرَدَتْ عَلَى
 الْجَنَّةِ الْمُشْتَرِكِ صَارَتْ شَهَادَةً وَفِي
 ثَبَتَ هَذَا أَقْوَلُ إِنَّ الصُّورَةَ الْوَقْفِي بَرَاهِنًا
 الْإِنْسَانُ وَهَذَا تَكُونُ مَوْجُودَةً
 فِي الْحَرَجِ أَكْثَرُ أَكْثَرُ بَطْنٍ
 وَكَأَنَّهَا مَعْلُومَةٌ كَانَتْ سَلِيمَةً مُجْتَمِعَةً

فَاثْنَانِ وَاللَّيْسَ تَخْلُفَ صَوْرَةَ الْحَيَاةِ فِيهِمْ
 وَفِيهَا رَأَى الْجَنَّةَ مُشْتَرِكًا وَالْثَّانِي
 فِي الدِّمَاغِ عَلَى مَقْعِدَةٍ مِنْ شَهَادَةِ الْبَصَرِ
 وَتَقْصِيصِهَا فِي الْكُلْبِ الْأَسْبَنِ عَلَى بَنِي
 سَعْيٍ يَحْصُلُ صُورَةُ الْإِنْسَانِ فِي الْأَسْبَنِ وَفِي
 الْأَسْبَنِ الْإِنْسَانُ مِنْ بَدَنِ يَحْصُلُ تَقْصِيرُ
 الْإِنْسَانِ عَلَى عِلْمِ الْوَالِدِ وَهَذَا إِذَا نَلَيْتَ
 مِنَ الْقَوْمِ وَوَرَدَتْ عَلَى الْجَنَّةِ الْمُشْتَرِكِ
 شَهَادَةُ يَكْتَسِبُهَا فِي الصُّورِ الْخَارِجَةِ
 هَذِهِ الصُّورُ الْوَقْفِي فِي الْحَرَجِ لَكُنْ شَهَادَةُ
 لِكُلِّهَا خَيْرٌ جَيِّدٌ لِكُلِّهَا سَطِيحَةٌ فِي الْحَرَجِ الْخَيْرِ
 فَتِلْكَ الصُّورَةُ الْوَقْفِي لَكُنْهَا إِذَا وَرَدَتْ عَلَى
 الْجَنَّةِ الْمُشْتَرِكِ صَارَتْ شَهَادَةً وَفِي
 ثَبَتَ هَذَا أَقْوَلُ إِنَّ الصُّورَةَ الْوَقْفِي بَرَاهِنًا
 الْإِنْسَانُ وَهَذَا تَكُونُ مَوْجُودَةً
 فِي الْحَرَجِ أَكْثَرُ أَكْثَرُ بَطْنٍ
 وَكَأَنَّهَا مَعْلُومَةٌ كَانَتْ سَلِيمَةً مُجْتَمِعَةً

بین۔ دوسری صورت یہ کہ دماغ میں ایک قوت خلیجیہ کا
 کام یہ کہ صورتوں کو ترکیب دیتی ہو اس قوت کا کام یہ کہ
 کہ ایک آدمی کے بدن پر دوسرے بن کر رہے ہوں کہ ایک
 ایسی انسان کی صورت بن جاتی جس کے دوسرے بن
 اور اس کا کام یہ کہ انسان کے سر کو دبا کر دیتی ہو یہاں تک
 کہ ایک ایسا انسان شکل ہو جائے جس کے سر میں، یہ قوت
 جب صورتوں کو ترکیب دے کر جس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہو
 تو وہ صورت تقاضے لگتی ہو جس طرح کہ خارجی صورتیں نظر
 آتی ہیں ان کی خارجی صورتوں کے نظر آنے کی یہ وجہ نہیں کہ
 وہ خارج میں موجود ہیں بلکہ یہ وجہ کہ وہ جس شکل میں
 متغیر ہیں تو یہ صورتیں جن کو قوت خلیجیہ نے ترکیب کیا ہے
 جس مشترک کے سامنے آتی ہیں تو نظر آنے لگتی ہیں اور جب
 یہ ثابت ہوا انہم کہ جن میں ایسی اب اصل مقصد کثرت
 کرنے ہیں کہ خواب میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ دو
 حالت سے خالی نہیں یا خارج میں موجود ہیں یا نہیں پیدا
 اصناف باطل ہیں کہ خارجی میں موجود ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں

وَحَدَّثَ كَمَا تَرَاهُ عَلَى الْفَعْلِ تَرْكِي الْعَمَلِ
 الْمُتَحَيَّرَةِ وَهَذِهِ الْقَوْلُ لَوْ خَلَّيْتُ وَطَعَهَا
 كَصَدْرَ هَذَا الْفِعْلِ دَامًا وَنَمَّا كَمَا يَصْدُرُ
 مِنْ هَذَا الْفِعْلِ كَمَا مَرَّ بَيْنَ أَحَدٍ هَذَا الشَّخْصِ
 الْحَسَنِ الْمُشْتَرِكِ فِي الصُّورِ الْوَاحِدِ وَحَدَّثَ
 خَرَجَ وَالْأَنَاءِ تَسَلُّطُ النَّفْسِ لِنَاطِقَةِ هَذَا
 بِصَبْطٍ فَإِذَا نَالَ الْمَلْبَعَانِ أَوْ أَحَدٍ هَمَّا
 هَذَا مِنْ هَذَا الْفِعْلِ وَالْأَنَاءِ الْأَوَّلِي
 بِالنُّومِ فَإِنَّ الْحَوَاسَّ إِذَا فَطِنَتْ بِالنُّومِ
 الْحِسْلُ الْمُشْتَرِكُ كَالْحَالَةِ الصُّورِ الْوَاحِدِ وَحَدَّثَ
 مِنْ خَلِيجٍ رَدِّ النَّاسِ الْتَائِي بِرَدِّ الْمَلْعَنِ فَإِنَّ
 النَّفْسَ فِي حَالَةِ الْمَلْعَنِ تَكُونُ شَعْلَةً بَحْثَةً فَتَسْلَمُ
 الْفَعْلُ عَلَى تَرْكِ الصُّورِ وَتَسْطِجُ تِلْكَ الصُّورِ
 فِي الْحَوَاسِّ الْمُشْتَرِكَةِ فَصَلِّ مَتَاهَا

آدمی کو نظر آتین اس لئے سلام ہو کہ خارج میں موجود ہیں
 بلکہ قوت تخیل کا فعل ہے قوت تخیل اگر اپنی اصلی حالت پر
 رہنے پائے تو فیصل ہیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دوسرے
 مانع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ جس مشترک صورتوں کے
 قوتوں کے میں مشغول ہو جاتا ہو باہر سے آتی رہتی ہیں
 دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ قوت تخیل کو دیتا ہے تو
 یہ دونوں بایک دھڑل ہو جاتا ہے تو قوت تخیل سے وہ قوت
 سرزد ہونے لگتا ہے پہلا مانع نیند کی حالت میں نازل ہو
 جاتا ہے کہ جب نیند کی وجہ سے حواس مطہل ہو جاتے
 ہیں تو جس مشترک خارج صورتوں سے غافل ہو جاتا ہے
 دوسرا مانع بیماری کی حالت میں نازل ہو جاتا ہے کہ
 بیماری کی حالت میں نفس مرض کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے
 قواس حالت میں قوت تخیل صورتوں کو ترکیب میں ملتی ہے
 اور یہ صورتیں جس مشترک میں اگر مشاہد ہو جاتی ہیں

وَأَمَّا أَوْحَى كَلَامٍ

فَالنَّفْسُ لَنَا قَصْرٌ أَدَاكَ تَقْوِيَةً يَحْيِي تِلْكَ
 يَكُنْ رُسُخًا لَهَا جَالِبًا لِدُنْ مَا يَغْنِي عَنْهَا وَتَوَسَّلْ

باقی وہی اور الہام توان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ
 مجلس قدوسی ہوتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے

بِالْبَازِي الْقُدُّوسِ وَكَانَتْ الْمَخِيلَةُ قَوِيَّةً
تَقْوَى عَلَى سَيْحَةِ اَصْحٰلِ الْجَحِيْمِ مُشْتَرِكِينَ
اَلْحَوَائِدِ اَطَاعُوا اَمْرًا اَصْلًا اَلْقَطْعِيَّةً
اَلْمَقْصُودِ الْمَجْتَمَعِ وَالْمَقْصُودِ اَلْمَخْصُودِ
لَهَا اِذْ رَاكَ الْغَيْبِ اَعْلَى وَجْهِكَ تَمَّ الْمَخِيلَةُ
مُحَالِكُهَا اِمْرًا جَزَائِرِيَّةً مُنَاسِبَةً لَهَا اَقْدَامُ
اِلَى الْجَحِيْمِ مُشْتَرِكِينَ مُشْتَرِكِينَ مُشْتَرِكِينَ
وَقَدْ لَبِثَ مِنْ بَعْضِهِمْ اَنْ يَسْمَعَ كَلَامَهُ
مَنْظُومًا اَوْ نِشَاءً مَوْجِزًا اَوْ نِشَاءً طَبِيعًا
بِحُكْمِ مَنْظُومٍ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِاَحْوَالِهِ وَاَحْوَالِ اَتْلُفْ
امام غزالی نے علایق القدس میں نبوت کے عنوان سے جو بیضا مضنون لکھا ہے اس میں

ایک فصل نبوت کے خواص میں لکھی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں

بَيَانُ حَوَائِدِ النَّبُوَّةِ - نبوت کے خواص کا بیان -

وَلَهَا خَوَاصٌّ ثَلَاثٌ - اَحَدُهَا اَبْعَدُ - نبوت کے تین خاصہ ہیں - ایک خاصہ قوت عقل اور
قوت عقلی علی کا تابع ہے -

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں سے جو عبارت یہاں درج کے
قابل ہے حسب ذیل ہے -

امام غزالی کی
کتاب علایق القدس
میں درج کی گئی ہے

مَعْنَاً اَنَّ الْمُتَحِيلَةَ بِفَعْلِ شَرِّهَا لَيْسَ بِحَالٍ اَوْ رَدٍّ
 اَوْ مُتَحِيلَةٍ اِلَى التَّعْيِيرِ بَلْ يَتَّخِذُ ذَلِكَ كَوْنًا
 وَمَحَالًا وَلَيْسَ يَتَوَكَّلُ عَلَى التَّعْيِيرِ حَتَّى يُوَدِّعَ تَحِيلَهُ
 مِنْهَا مِنْ تَرَكُّبِهِ بِطَاسِيَا بَانَ يَطْبَعُ
 الصُّوَرُ الْكَاسِلَةَ هِيَ فِي الْبَطَاسِيَا الْمَشْتَرِكَةِ
 فَيَسَاهِدُ صُورًا اَلْمُتَحِيلَةَ عَجَائِبَ مِنْ عَيْنِهِ وَاقْوَ
 اَلْهَيْئَةِ مَسْمُوعَةٍ هِيَ مِثْلُ تِلْكَ الْمُدَارِ كَانَتْ
 اَلْوَجِيهَةَ وَهَذَا اَدْوَنُ دَرَجَاتِ اَلْعَوَالِمِ اَلْمُسْمَاةِ
 دَرَجَةُ اَلْوَقْوَى وَهِيَ مِنْ هَذِهِ اَنَّ يَسْتَبْدِئُ تِلْكَ
 اَلْاَوَّلُ اَلْصُّوَرُ عَلَى هَيْئَتِهَا لَمَّا تَعْرِى الْقُوَّةُ اَلْمُتَحِيلَةَ
 عَنْ اَلْاَنْصَارِ وَذَلِكَ لِأَنَّهَا بِاَسْيَا اَلْوَقْوَى
 وَاقْوَى مِنْ هَذِهِ اَنَّ يَكُونُ اَلْمُتَحِيلَةُ مُسَمِّيَةً
 فِي مَحَالِهَا وَاقْعًا اَلْعَمَقِ اَلْوَقْوَى لَا يَتَّخِذُ
 مَعْنَاً اَسْتَسْبِيَاةً فَيَتَبَدَّلُ فِي الدَّارِ مَصْنُوعَةً
 اخَذَتْ وَلَيْسَ اَلْمُتَحِيلَةُ عَلَى بَطَاسِيَا وَمَحَالٍ
 مِنْهَا اَلْمُتَحِيلَةُ بِفَعْلِ شَرِّهَا لَيْسَ بِحَالٍ اَوْ رَدٍّ
 اَوْ مُتَحِيلَةٍ اِلَى التَّعْيِيرِ بَلْ يَتَّخِذُ ذَلِكَ كَوْنًا
 وَمَحَالًا وَلَيْسَ يَتَوَكَّلُ عَلَى التَّعْيِيرِ حَتَّى يُوَدِّعَ تَحِيلَهُ
 مِنْهَا مِنْ تَرَكُّبِهِ بِطَاسِيَا بَانَ يَطْبَعُ
 الصُّوَرُ الْكَاسِلَةَ هِيَ فِي الْبَطَاسِيَا الْمَشْتَرِكَةِ
 فَيَسَاهِدُ صُورًا اَلْمُتَحِيلَةَ عَجَائِبَ مِنْ عَيْنِهِ وَاقْوَ
 اَلْهَيْئَةِ مَسْمُوعَةٍ هِيَ مِثْلُ تِلْكَ الْمُدَارِ كَانَتْ
 اَلْوَجِيهَةَ وَهَذَا اَدْوَنُ دَرَجَاتِ اَلْعَوَالِمِ اَلْمُسْمَاةِ
 دَرَجَةُ اَلْوَقْوَى وَهِيَ مِنْ هَذِهِ اَنَّ يَسْتَبْدِئُ تِلْكَ
 اَلْاَوَّلُ اَلْصُّوَرُ عَلَى هَيْئَتِهَا لَمَّا تَعْرِى الْقُوَّةُ اَلْمُتَحِيلَةَ
 عَنْ اَلْاَنْصَارِ وَذَلِكَ لِأَنَّهَا بِاَسْيَا اَلْوَقْوَى
 وَاقْوَى مِنْ هَذِهِ اَنَّ يَكُونُ اَلْمُتَحِيلَةُ مُسَمِّيَةً
 فِي مَحَالِهَا وَاقْعًا اَلْعَمَقِ اَلْوَقْوَى لَا يَتَّخِذُ

لہ نہائی لفظ سے جس کے معنی میں مشترک کے ہیں

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز ہی اسکی جس سے باہر نہیں ہو سکتی۔ ایسے ششخیز میں رہ کر انسان کیوں کر ترقی کر سکتا ہے؟ وہ جسے کہ جن قوموں نے عجب ترقی کی، ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیر یوں سے آزاد ہو کر کی۔

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہیں کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہیں دیتی

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والوں کے ساتھ سخت تعصب و زلفت کی تلقین کرتا ہی اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والوں پر انصاف کے ساتھ حکومت نہیں کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہویشہ ذلیل و خوار رہ کر تمدن اور تہذیب محروم رہا۔ عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعت سے خالی نہیں، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام ان اعتراضات کا ہوت ہو سکتا ہے یا نہیں

نئے شبہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر جزئی فعل کو مذہب کے ششخیز میں جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ و زریوں کو ٹٹا دے۔ یہودیوں کے ہاں ایک ایک چیز مذہب کے ششخیز میں جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ پیغمبرین اور بندین امتدادی جائیں۔

قرآن مجید میں ارشاد کیا

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ الَّذِي آتَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ
يَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ مَخْرَجًا مَّا يَشَاءُ

جو لوگ کہ پیغمبری کی پیروی کرنے میں جبرگ نام اپنے ان
ذریعہ و ایال میں لکھا ہوا ہے میں وہ انکو بھی بات کا

یہ باتیں اسلام
میں نہیں ملتی
جائیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَبِخُشُوعٍ عَنِ الشَّكْرِ عَلَيْهِمْ
الطَّيِّبَاتِ وَيُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّهِمْ كَيْفَ بَدَّلُوا
أَصْحَابَهُمْ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا كَأَنَّهُمْ
حُكْمٌ دِيَارِيٌّ وَبِخُشُوعٍ عَنِ الشَّكْرِ عَلَيْهِمْ (اعلان: ۱۸)

حکم دیتا ہے اور برائی بات سے روکتا ہے، اور پاک چیزوں کو
انکے لئے سلاں کرتا ہے اور پاک چیزوں کو اپنے حرام کرتا ہے
اور وہ بوجھ بوجھ پرتے، اور وہ بڑا غیور ہیں، اور دیتا ہے
خوب غور کر دو کہ یہودیوں پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرت نے ہلکا کیا، اور ان کے پاؤں میں
کونسی بیڑیاں تھیں جنہیں نے اترا دیں۔

قرآن مجید میں خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ اَلْعَقْلُ لَوْ فِي ذِيْنٍ كُنْتُمْ
یعنی مذہب میں غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کو
مذہب کے دائرہ میں داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی تحت و تقابل تعمیل مقرر کر کے
جائیں، اسلام نے ان دونوں کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگوں نے یہاں تک وسعت
دی تھی کہ زندگی کے عیش و عشرت ناز و نعمت عمدہ غور و پوشش کو بھی اس میں داخل کر
لیا تھا اور اس کو ناجائز قرار دیا تھا، اس پر قرآن مجید نے کہا۔

خُلْ مِنْ حَرَمٍ ذِيْنَةَ اللَّهِ اَللّٰهُ اَسْحَبُ رُحْمًا
بَدُونَ کے لئے پیدا کئے ہیں ان کو کش حرام کیا۔ ہے

خدا کے انہی احکام کی بنیاد پر آنحضرت نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے
بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ كَهْلَبُ بُؤْدٍ كَيْفَ بَدَّلُوا
دوسرا اعتراض تو اسلام سے بہ حلال دوسرے، اسلام کو دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ
ہے کہ اس کے احکام مذہبی نہایت مذہبِ اسلام اور بہاؤ اصل ہیں۔

وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج)
 مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُضِلَّ عَنْكُمْ دِينَهُ إِنَّهُ يَذَرُهُ
 لِيُظْهِرَ لَهُ لَكُمْ دِينَهُمْ عَمَّا هُمُ كُفَرُوا (مائدہ)
 يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ كُلَّهَا وَيُذْهِبَ
 لَكُمْ كُفْرًا اللَّهُ نَفْسًا لَكُمْ وَسَعَهَا -
 (سورۃ بقرہ)

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ دِينَهُ إِنَّهُ صَبِيحًا
 یہ صرف دعویٰ نہیں، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہدین، مذہبی اعمال کی سختی
 کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہوں جن کی تعمیل شکل ہو یا جن کی تعمیل ہر
 وقت کا بوجھ صرف ہو جائے۔

اسلام میں صرف پانچ فرائض ہیں نماز روزہ زکوٰۃ حج جہاد۔ حج اور زکوٰۃ دو مستندوں پر
 محدود ہے جہاد صرف اس وقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو مگر
 دو فرض ہیں جو سب کے لئے عام ہیں، نماز روزہ، روزہ سال میں ایک دفعہ ہے، وہ بھی
 مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیوں کے لئے نہیں، نماز البتہ کسی حالت میں معاف
 نہیں لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لئے وضو کی ضرورت نہیں، گھوڑے یا جانور
 کی سواری میں مست قبلہ کی پابندی نہیں، وہ حسب انتفاع ضرورت کھڑے ہو کر

اور خدا نے دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کر لی
 خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی گئی رو کر کے بکریا چاہتا
 کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔
 خدا تمہارے ساتھ اسلکی کر نی چاہتا ہے۔ کہ سختی۔
 خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس قدر اس کو طاقت ہے

بیٹھ کر لیٹ کر۔ گھوڑے پر سوار ہو کر عرض ہر طرح ادا کی جاسکتی ہے سفر میں بجائے چار کشت کے صرف دو رکعتیں رجا جاتی ہیں، اس لئے ادا کے لئے جو ارکان و اداب مقرر ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہیں بالائے ناف بھی، آمین پکار کر بھی کہہ سکتے ہیں آہستہ بھی، عرض بعض اور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی ضرور نہیں، چنانچہ مختلف اماموں نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لئے نہایت جزئی چھوٹی طبعی قیدیں لگائی جائیں اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذہب میں، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ تورات کے احکام سے ہو سکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام میں نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے ادا ہو سکتی ہے، تورات میں اس کے لئے جو قیدیں مذکور ہیں ان کا مختصر سا نمونہ یہ ہے اور ان کو پاکترین مکان میں یوں آئے کہ خطا کی قربانی کے لئے ایک بھیڑ اور سوختی قربانی کے لئے ایک میتھالا لائے اور کتنا ہی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن میں کتنا ہی پا جاوے ہو، اور کتنا ہی شکے سے اٹکی کر بندی ہو اور اپنے سر پر کتنا ہی علامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہیں اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انھیں پہن لے اور بنی اسرائیل کی جماعت کو کبریٰ کے دو بیچے خطا کی قربانی کے لئے لے لے اور ہر دن اپنے اس بھیڑے کو جو خطا کی قربانی کے لئے اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لئے کفارہ دے پھر ان دونوں صلواتوں کو لے کر جماعت کے نیچے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے۔

اور ہر دن ان دونوں حلوانوں پر قرعہ ڈالے۔ ایک قرعہ خداوند کے لئے اور دوسرا حق
چلاوے کے لئے اور ہر دن اس حلوان کو حسینہ خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لاسنے اور
اُسے خطا کی قربانی کے لئے ذبح کرے ۱۱

اور وہ ایک عود سوناں آگ کے انگاروں سے جو خداوند کے آگے منج پر ہے بھر لے
اور اپنی ٹھیں ان بخور کے کوٹے ہوئے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لاگ
اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ میں ڈال دے تاکہ بخور کا دھواں کفارہ گاہ کو جو شہادت
کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہ ہو پھر وہ اس پچھڑے کا ہولے کے اپنی انگلی سے
کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو پچھڑے اور کفارہ گاہ کے آگے گجھی ہو اپنی انگلی سے سات تیر
چھڑے کے (توریت - اجار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندوؤں اور تمام دیگر قوموں میں پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ کوئی
شخص بطور خود عبادت آہی ادھی نہیں کر سکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا ہو جو
نہ ہو، ہندوؤں کو پنڈتوں کی ضرورت ہے۔ عیسائیوں کو پادری کی، یہودیوں کو اجار کی
لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہیں، وہ اپنا آپ پادری اپنا
آپ پنڈت و اپنا آپ اجار ہے۔

اسلام نے طریقہ عمل کے فائدے کے لئے اس قسم کی کوئی شرط اختیار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا
دیا ہے کہ یہ قیدین فی نفسہ ضروری نہیں، نماز کے لئے قبلہ کی سمت کبھی نہ حکم دیا ساتھ ہی
کہا یہ کہ ایتھا فوذا فتنہ رجہ اللہ یعنی جس طرف منہ کرو اسی طرف خدا کا منہ ہے

قرآنی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ **لَنْ يَسْأَلَ اللَّهَ مِنْكُمْ شَيْئًا وَلَا يَسْتَأْذِنُ مِنْكُمْ شَيْئًا** تقویٰ
یعنی خدا تک نہ قرآنی کا گوشت پہنوتا ہے نہ خون بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے
تیسرے اعتراض کا جواب تفصیل آگے آئے گا

ہمارا صرف یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام تمدن کے موافق ہے بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن
کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے
اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ میں جس حد تک پہنچا ہے
کبھی نہیں پہنچا تھا اسلئے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہیں
یورپ کے تمدن کے مہات اصول سب ذیل عنوان میں معدودہ کئے جاسکتے ہیں
اور دنیا میں جب کبھی کسی قوم نے تمدن میں ترقی کی ہوگی یا ابنا دکرے گی تو انہی اصول پر
کی ہوگی اور کرے گی۔

(۱) انسان کی تمام ترقیوں کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات
سے اور تمام کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسی لئے ہے کہ انسان اس سے متبع اٹھائے۔
سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ | ہم نے انسان کی بنیاد بہتر سے بہتر بنائی۔
وَسَمِعَ الْكَافِرُونَ مَذْمُورًا لِّمَنَ لَّهُ الْآخِرُ | تمہارا سامان دوزخ کی چیزوں کا تھا اس کو کیا۔

اس قسم کی ادبہر سی باتیں ہیں جو آئندہ آئیں گی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی ملک جہول
ہیں بلکہ لامہین
پائے ملتے ہیں

ترقی اور منزل - عروج اور زوال کا مدار تہمتِ اسی کی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیوں میں اس کی کوششوں پر موقوف ہیں قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت تو خبیث اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ
لَهُمَا مَالِكِبْتُمْ وَعَلَيْهَا مَا اتَّسَبْتُمْ (بقرة)

انسان کے لئے آنا ہی جو بتنی اکی کوشش ہو
انسان کے لئے صرف اس کے جو فائدہ پہنچتا ہو اسی کی کمائی کی بدولت

وَلَا تَلْسَبُ كُلِّ نَفْسٍ لِّأَعْمَالِهَا (الغام)

اور جو کوئی نہ کہم ترا ہی تو اسکا وبال اسی پہ پڑتا ہے
اور چند پر پچھتائی ہے تو تم کہو کہ یہ یہ صیبت کہاں سے

أَفَلَا يَأْتِيَنَّكُمْ صَبَابَةٌ مِّنْ فَسَادِ مَا كُنْتُمْ أَتَىٰ هَٰذَا قُلُوبُكُمْ وَفِي أُنْفُسِكُمْ (ال عمران)

یہ اس لئے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو پھر اس کو
بلاتینیں جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ

هَٰذَا لَكُم بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُعْتَادًا لِّعَمَلِكُمْ
عَلَيْكُمْ حَتَّىٰ يُفَاوِزَ مَا بَايَعْتُمْ (ال انفال)

ظہر الفساد فی الیوم واللیلیٰ کما کسبت یدکُم (الاحزاب)

مَآ صَاكُم مِّنْ مَّصِيبَةٍ فَمَا لَسَبْتُمْ اِلَيْهَا (معتق)

سلام نہ اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید میں جا بجا تہمت کی کہ بندہ جب ایک کام کر

یتلے تو خدا ہی اسی کے موافق کرتا ہے۔

اِنَّ اِلٰهَیْنَ اَمَّا وَاُولٰٓئِکَ اَصْلٰحَتْ یٰحٰمٰدٌ یٰہم

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام میں اپنے لئے خدا کو

ذَقُّهُمْ بِأَيِّمَا نَفْسٍ (بولس)

اِنَّ الدِّينَ لَا يَخْلُو مَنْ بَالَيْتَ اِلَٰهًا يَحْدُ عِيْلَهُ
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُ وَاَنْتَا اَنْتَ سَيِّئٌ

مُسْلِمًا - (عنكبوت)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا
سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ بِمَعْرُوفٍ
وَقَدْ أَقْدَمْتُمْ (محمد)

فَلَمَّا رَأَوْهُمُ الرَّاغِبِينَ إِلَيْهِمْ فَلَوْ أَنَّهُمْ
رَأَوْا اللَّهَ لَا يَغْفِرُ مَا قَوْمُهُمْ حَتَّىٰ يَغْفِرَ لَهُمْ فَاذْكُرُوا أَنفُسَهُمْ

اِنَّ آيَاتِي مِنْ خُدَائِهِ اسْمُ كَامُ كُوْبْدَه كَ كَامُ سَ سَاخِرُ كَمَا فُلْمَا نَا عِنْدَ اَلْعَلَمِ
مِيَانِ كِيَا كَرَبِ اِن لَوِ كُوْن سَ كَجِي كِي تُو خُدَا سَ نَ بَحِي اُن كَ دِلُوْن كُو كَج كُو يَا اِيْهَا اَللّٰهُ

اِسْمُوْا اَيْنِ كِي كَا كَا سَلْمَا نُو اِيْ بَرِيْزِ كَارِي اَقْيَا رُوَا دِر بَات كِهِي تُو خُدَا تَمَارَ سَ عَمِل صَا لَح كَر كَا
مَلَا كَا كِي بَرِيْزِ كَارِي خُو دَعَمِل صَا لَح كَا نَا مَ هَ اُو دِر جِب كُو لِي شَخْصِ بَرِيْزِ كَارِي كَر سَ كَا تُو

پہرے کے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید میں ایسی بھی بہت سی آیتیں
ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور شخص ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔

ان کے ایمان کی وجہ سے حیات کرتا ہے

جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لگاتے ان کو حیات نہیں کرتا
جو لوگ ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنی
راہ دکھاتے ہیں۔

مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور جبک بات ہو تو خدا تمہارا
اعمال کو صالح کر دے گا

مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا بھی تمہاری مدد کرے گا
اور تم کو نجات دہم کر کے گا۔

پھر جتنے لوگ کج ہوئے تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو کج کر دیا
خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک خود اپنی حالت نہیں

ان آیتوں میں خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر رکھا فلما نا عند العلمین
میان کیا کہ جب ان لوگوں نے کجی کی تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو کج کر دیا یا ایہا الناس

اِسْمُوْا اَيْنِ کِی کَا کَا سَلْمَا نُو اِیْ بَرِیْزِ کَارِی اَقْیَا رُوَا دِر بَات کِهْی تُو خُدَا تَمَارَ سَ عَمِل صَا لَح کَر کَا
مَلَا کَا کِی بَرِیْزِ کَارِی خُو دَعَمِل صَا لَح کَا نَا مَ هَ اُو دِر جِب کُو لِی شَخْصِ بَرِیْزِ کَارِی کَر سَ کَا تُو

پہرے کے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید میں ایسی بھی بہت سی آیتیں
ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور شخص ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔

ذَهْوًا لِّقَاهُمْ تَخَوُّفٌ وَعِبَادَةٌ

فَلَنْ يَكُنَّ لَكَ تَرْفٌ عِنْدَ اللَّهِ

اور وہ اپنے بندوں پر بالادست ہے۔

کہہ دے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔

عیسائی اکثر منع دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو کابلی اور پست جمہتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ
تضاد قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانوں کا تزل خود ان کے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،
اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے تو کس پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی
کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی تضاد قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ میں سے
ایک ایک شخص ہزاروں آدمیوں کے دل میں گھس جاتا تھا اور سیکڑوں کو خاک میں ملا کر صحیح
سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیاء اپنی شکستہ پائی اور کابلی کے لئے
استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور۔

حقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام نے انسان کو مختار رکھ قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی
اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نکل جائے انسان کے مختار ہونے
کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خالق اور خدا کوئی چیز نہیں، اسلئے انسان قادر مطلق ہے،
جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن
اسے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اسلئے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور اسلام نے پہلے
معنی کی نفی کی ہے اور یہی بنا پر قرآن میں آیا ہے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک کہ خدا چاہے۔

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو حیثیت اور سارا وہی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے
اگر خدا نہ چاہتا تو تمہیں یہ قوت بھی نہ ملتی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

فَلَا تَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ لِمَن دُونِ اللَّهِ
| میں کو کچھ دینیوں پر سب کی مٹا اعلیٰ خدا ہی کی ذات پر۔

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے
کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی جسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کو ایسا کیا، اس
مناقصہ تھے یعنی صحابہ انھوں نے کیا سمجھا اور اپنے اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے
کہ اسلام کی تعلیم نے ان کو اختیار عزم، استقلال اور جوصلہ کی جسم پیکر بنا دیا تھا۔

(۴) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساوات کا اصول ہے، یعنی یہ کہ تمام انسانوں
حقوق مساوی ہیں۔ فلاسفہ کو ندرسیہ کا قول ہے کہ ”حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دریا چہ
مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے۔“

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعزیرات کے
متعلق مذہب سے مذہب قوموں کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرموں کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ
سے سزائیں دی جاتی تھیں۔ لادوں اپنی انسان کو پٹیا میں لکھا ہے کہ ”رومن اسپارٹین ایک
ہی جرم کی سزا میں مختلف ہوتی تھیں یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی“
اس کے بعد صنف مذکور نے اس نا انسانی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لیکر
فریچ تک کے واقعات لکھائے ہیں۔ اخیر میں لکھا ہے کہ ”رومن کے پٹکارے نے

یہ تمام تہذبات مشادہ فرمیں کہ اسے خود ان القاب و خطابات کو مشادہ یا جو لوگوں کی ذمہ
غرت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے۔

فلاسفہ و نیک لکھتا ہے کہ مسادات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قوموں
میں پڑی ہے اور اب دوسرے حصوں میں بھی پھیلی جاتی ہے۔
فلاسفہ مذکور مسادات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام میں بارہ سو
برس پہلے یہ اصول قائم ہو چکا تھا قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ

لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے
لئے اور قبیلہ نمبر سے اس وطن سے لکھا ہے کہ تم سے پہچان
جائیں لیکن خدا کے نزدیک سادہ سادہ ہے جو پرہیزگار ہو

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام ہی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک سلام تھا ہی
اصول پر قائم رہا عرب میں قبائل کے مابین مقرر تھے جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز
تھا اس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیوں کے برابر مانا جاتا تھا یعنی معزز
قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے بدلے میں دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کئے
جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ میں آقا قتل نہیں کیا جاسکتا تھا اسلام
نے اصول مسادات کی بنیاد پر یہ تفریق بالکل مشادہ قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر
میں انھوں نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کیا تھا کہ انصار پر راجا تھا ناجی
بارہ سو حبش اور بلقان کے زرخیز غلاموں کے برابر کر دئے گئے ابو سفیان جو تمام قریش کے سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا تب اسلام لایا تو اس کو بلال وصہیب کا ہر تہہ پہن کر رہنا پڑا حالانکہ بلال وصہیب دونوں بھی زرخیز غلام تھے۔

جلد بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا تب وہ اسلام لایا تو اسے چاہا کہ ایک عالمی آدمی کے مقابل میں اس کی عزت منہج تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروقؓ نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مزہ جو کر میسائیوں سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروقؓ نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انکا غلام ٹٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھوں میں اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ ضعیف اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لئے مکہ و مدینہ سے نکل آئے تھے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جنکا شمار نہیں کیا جاسکتا نتیجہ عام کا اندازہ اس امر پر ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ خنہ حنہ (ظفر نیچ) (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا یعنی اداخل اسلام میں بڑے سے بڑا آدمی راہ میں کسی معمولی آدمی کو نہیں کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا۔

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی حیر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک میں، ہر قوم میں ہر سلطنت میں یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والوں پر جبر کیا جاتا تھا، ان کو مذہبی آزادی نہیں دی جاتی تھی۔ ان سے نفرت اور حقارت کی تحقیق کی جاتی تھی اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو

مذہبی تعصب

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہو گئی تھی کہ جب دو شخصوں میں کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا تو اس کا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونوں میں اہمیت پیدا ہو کر منافقت اور عداوت کی حد تک نوبت پہنچتی تھی۔

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جدا کرنا شروع کئے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب میں اختلاف ہو تو اس کا اثر عام معاشرت پر نہیں پڑنا چاہئے۔ والدین کے بہانہ حقوق بیان کئے وہاں فرمایا کہ

وَأِنْ جَاهِدَاكَ إِلَى أَنْ تُكْفِرَ بِدِينِكَ
لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُقَاتِلْهُمَا
مَنْ جَاهِدَاكَ فِي دِينِكَ مَعَهُ دِينٌ
اگر وہ دونوں اس بات پر زور دہیں کہ تو میرے شمس
چیز کو ترک کر دے جسے تجھ کو ظاہر نہیں ہے یعنی اگر وہ اپنے مذہب پر
مجبور کریں تو تو ان کا کہا نہ مان لیکن دنیا میں ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ

پھر عام طور فرمایا۔

كَانَ يَهْتَكُمُ اللَّهُ عَيْنَ النَّبِيِّ لَمْ يَفْعَلُوا وَفِي الدِّينِ
وَلَمْ يَحِمْ جَوْلَهُمْ دِيَارَهُمْ بَيْنَ تَبَرُّوْهُمْ وَلَقَدْ سَطُوا
اَللّٰهُمَّ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ الْبَاقِيْنَ
جن لوگوں نے تم سے مذہبی جنگ نہیں کی اور تم کو تم سے
گھون سے نہیں نکالا ابلی نسبت خدا مانو جنہیں تم نے تم سے
ساتھ جہاد کیا اور انصاف کرو پہلے خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

اے قرآن مجید میں بہت سی آیتیں اس قسم کی موجود ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ غیر مذہبی لوگ دوستی اور محبت نہ رکھو اور ابھی آیتوں کو یہ حکم ہے
یہ سب ملامت پر مشتمل کر رہیں لیکن وہ آیتیں ان کا واسطہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو تو نہیں دیکھتے اور خود مانے اس آیت کے
بعد نصیحت کر دی اور فرمایا کہ انا نعلم اللہ عن الذین قاتلکم فی الدین وانا نعلم الذین قاتلکم وانا نعلم الذین قاتلکم وانا نعلم الذین قاتلکم
تو ان کو تو دوستی رکھو کیونکہ یہ تو تم کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم ان کو تو نہیں دیکھتے اور خود مانے اس آیت کے

گزاران گذرانی حق اس پر قرآن مجید میں یہ آیت اتری۔

وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرُ عَلَيْهِمْ اِغْرَاۤءُهُمْ فَاِنْ تَبَيَّنَّ
لَكَ تَبَيُّعُ نَفَقَاتِ الْاَرْضِ اَوْ سَمَّاۤى السَّمٰوٰتِ
مَتَابِعَهُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ يَرۡى كُفۡرَهُمۡ عَلٰى
اَنۡفُسِهِمْ فَلَا تَكُوْنُ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔

اور اگر ان کی کشتی تجھ پر گزاران گذرانی ہی تو ممکن ہو چکی ہو
کے اندر سبک تلاش کرو یا آسمان میں سیر ہی بہیم چھینچا
تاکہ انکو کوئی بجز وہ دکھاؤ (تو کر دیکھو) اور اگر خدا چاہتا
تو سب کو راہ راست پر توفیق کر دیتا تو دیکھ جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانوں کی فطرت ایسی ہی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات
قبول کر لیتے ہیں، اس لئے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت
دی اور فرمایا۔

وَاذۡعُرۡ اِلٰى سَبۡبِ رِیۡبَ كَیۡفَ اَلۡحٰكِمَةُ ذٰلِکَ وَعِظَةُ
الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِاَتٰی حُجٰی اَحْسَنَ۔ (محل)
فَاَلۡلَہُ اِنۡمَآ اَنۡتَ مُکۡرِمٌ لِّمَنۡ اَنۡتَ کَاۡفِرٌ مَّعۡہِمۡ مَّحۡبُطٌ
ضَرَبَ سَلۡوٰۃً اَتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہِ سَبۡیۡلًا۔ (محل)
اَفَاُنۡصِرُکُمۡ اِلَآ اِنۡ تَاۡمَنُوۡا مَوۡمِنِیۡنَ۔ (پولس)

لوگوں کو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بلا دینا اور
بزرگ وعظ کے اور لوگوں کو سبک کر مقلد طریق سے
لوگوں کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنی والا ہو کہ وہ خدا
تو میں کے ہی میں آؤ وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے۔
کیا تو لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہو۔

اقتدار و یقین ایسی چیز جو دل سے متعلق ہے اس لئے کوئی شخص کسی کے دل میں کوئی
یقین، بجز اور زبردستی سے نہیں پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب میں جبر کرنا بالکل بے فائدہ چیز
ہے لیکن یہ مکتہ اس وقت تک دنیا کی سحر میں نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہیں کہا کہ۔

اَلَا رَکَّہَ اِلَآ فِی الدِّیۡنِ۔ (ال عمران)

مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہیں۔

ٹرول بیان جو قرآن کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ ”مذہبی آزادی کو کچھ بہت دن پہلے
گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخیں درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ دہری کا مجموعہ ہیں“ اس کے
بعد فاضل مذکور نے قرون اولیٰ سے عہد وسطیٰ تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے
ساتھ گنتائیں ہیں، اخیر میں لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۱۰۴۰ء اگست ۱۹۷۹ء کو مذہبی
آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود میں اُس وقت آیا جب یہودیوں کو اسرائیلیں ظلم سے
نجات دی گئی تاہم چون فریج رو دیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لئے وہ مذہبی آزادی
کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کر سکا۔

یہ فاضل ٹرول بیان جس چیز کی ابتدا ۱۹۷۹ء سے بیان کرتا ہے، اسلام میں بارہ سو
بیس پہلے قیام ہو چکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا
اُسے دوسرے قوموں کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام رائے قیام کی اور اس کو ایسا ہی
کرنا چاہا ہے۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے
حقوق برابر قائم کیے جائیں۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا،
اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تعین کی چنانچہ یہ بحث نہایت مفصیل کے ساتھ اوپر گذر
چکی ہے۔

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کی ہر فرد کو من حیث القوم ملین
آزمونی اپنے آپ فرست لائی جائے، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

محفوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔

تَمَامُ قَوْمٍ سَے بڑھ کر ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ

بَلَّغُوا الْوَعْدَ وَكُونُوا لِلْمُؤْمِنِينَ

غزت خدا کے لئے جو اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے

قرنِ اول میں یعنی جب تک اسلام اسلامِ رایہ خیال تمام مسلمانوں میں اس قدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد میں حیثیتِ انوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلفِ تارکِ خیال تھا جو مسلمانوں کے ہر قسم کے جو صلہ مندیوں، اوالا غریبوں، بلند خیالیوں کا باعث تھا، تاریکوں میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسری کے دربار میں کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

(۴) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو بالائزمتہ اسلامِ تہرہ دیا اور مجید اور احادیثِ صحیحہ میں علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتیں ہیں، اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لئے موجود ہے کہ اسلام دنیا میں جہاں جہاں گیا علم کو ساتھ لے گیا، وہ قومیں جو ازل سے جاہل اور اُنہی رہتی آئی تھیں جس دن اسلام لائیں علم و فن سے معمور ہو گئیں، عرب ابتدا سے عالم سے جاہل تھا یہاں تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو مار سمجھتے تھے رواجِ جو شہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُسے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہیں ظاہر نہ ہو جائے پانے در نہیری بڑی بزمی ہوئی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ طوم و فنونِ کام کر بن گیا

اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین دین و دُعا پیدا ہونے لگے، ترکون کی قوم ہزاروں برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا کہ عجمان ہر ذنب و زلزلہ کے ترکان خوان بیمار ابنہ یہی ترک تھے جن میں اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابو نصر فارابی اور امیر خسرو اور سیکڑوں علما و شعرا پیدا ہوئے جن جن قوموں نے دنیا میں اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار کروڑوں اور دیکھو کہ اسلام کے قبل اُن کی ملی حالت کیا تھی اور کیا ہو گئی صاف نظر آئے گا کہ علم، اسلام کے عفرین داخل تھا۔

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت جمہوریت کی بنیاد پر قائم کیا جائے

اس اصول پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود آنحضرت کو اپنی پابندی کا حکم ہوا۔

وَشَاوَرْتَنِي الْمَلَكُ | اور لوگوں سے مشورہ کر

حالانکہ وحی والہام ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی؟ مزید تاکید کے لئے مسلمانوں کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ | ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام میں مشغول ہو تاکہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلیٰ درجہ تک ترقی دے سکے، یورپ میں یہ اصول یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبوں اور حکیموں میں جو خاص خاص مراض کے الگ الگ طبیب ہیں اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریوں کے علاج سے واسطہ نہیں رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤں، سر و دل و دماغ

حکومت جمہوری

تقسیم

کام الگ الگ تقسیم کر دے ہیں، اسلام نے اس اصول کے طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ رِجَالٌ مُّؤْتِيْنَ مَّوَدِّنَ الْاِخْوَانِ وَبِأَمْرٍ مِّنْهُ

بِالْعَارِضِ وَيَهْجُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ كَانَتِ

فَرَسًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا

فِي الدِّينِ۔

میں تفقہ حاصل کریں۔

(۱۰) ہر زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ رائے ہے کہ انسانوں کے

افراد میں جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جائے یورپ میں انارکسٹ منہلٹ وغیرہ ہی

خیال کے لوگ ہیں، لیکن یہ حقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے، اور اگر اس پر عمل کیا جائی

تو ہر قسم کی ترقیان و فتنہ رک جائیں۔ اسلام نے اس کا فلسفہ ان الفاظ میں ادا کیا۔

لَا تَجْعَلُ فِي الدِّينِ شَيْئًا مِّنْهُم مِّنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

وَدَعَا بَعْضُهُمْ فَوْفَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔

لِّيُخْرِجَهُم مِّنْ بَيْنِهِمْ رُجُلًا مِّنْهُمْ لِيَتَفَقَّهُوا

فِي الدِّينِ۔

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ اعلیٰ ترقی کی کوئی انتہاء قرار دیا جائے یعنی انسان ترقی

کی کسی حد تک پہنچ کر قانع نہ ہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی

ہیں، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو طوم لہ نہی سے

مستانتھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

ان الفاظ کا تفسیر
المراتب ہونا

علیٰ ترقی
انتہاء نہ ہونی

کہ کہ اسے خدا محکوم اور زیادہ عظم و

شَلَّ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا
تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے۔ ابتدا سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قوموں نے (بجز اسلام) کے اس معیار میں غلطی کی ہے، فرقہ اباحہ مذکورہ اور معتزلہ پیکسولیس صرف دنیاوی لذائز کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی امتیازات کو ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مہاجر قائم کئے اسی خیال نے دنیا میں جوگی تہارک الدنیا۔ راہب شنک اور تیرپیدا کئے اور ان لوگوں کی وہ عزت و دلور میں قائم کی کہ ایک دلیل بوری انشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے۔

فیر باتس لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاحتی زندگی تباہ کر دی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس عرض سے چھوڑ دئے جائیں کہ نہایت حضور کے ساتھ بہشت کے منتظرین لکھلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور غرائز قتل کر دی جائیں۔

لاروس لکھتا ہے کہ زاہرون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطری غور و خوض کا جو اثر اپنے اس بالکل شامین مذہب کی تخصیص نہیں فلسفہ و حکمت کا سیلان بھی اسی طرف ہے سقراط افلاطون دیوجانس لکسی۔ بونفر فارابی کی زندگی بالکل جو گیون کی طرز زندگی سے

مشابہتی خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سنتے ہیں کہ دنیا اس کی نظر میں بیچ ہے وہ فرشتے خاک پر پڑا رہتا ہے نہ ان دنیا کے بسر کرتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل میں اس کی وقت قائم ہو جاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہیں کرتے کہ ان باتوں کے سوا، اس میں کوئی اور کمال بھی ہے یا نہیں۔

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان میں صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے مہربانوں کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ہنری برنجیہ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) میں لکھتا ہے "آہ کاش کوئی شخص خدا مذہبی اور علمی تعصب کے تقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر میں ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج و دشمنی دونوں میں ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"۔

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیوں کر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

یہاں کی شاعری

اور جوگی بنامیں کو عیسائیوں نے کیا دیکھا ہزار ہا نہیں کہلاتا	وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَوْهُمَا لَتَلْبَثَا عَلَيْكُمُ
دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اس کو بھول نہ جاؤ۔	وَلَا تَنْسُوا نَصِيبَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا
مسلمانوں! خدا نے جو بھی چیز تم کو طلال کی ہیں تم کو حرام نہ کرے	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ
یہ معلوم ہو کہ خدا نے جو اشیاء میں بندوں کے لئے پیدا کی ہوں تم کو حرام نہ کیا، اور جو خوراکوں کو تم کو حرام کیا	فَلَمَن حَرَّمَ بَيِّنَةً مِّنَ اللَّهِ أَنَّىٰ أَخْرَجَ لِعِبَادِكُمُ
	وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

اس قسم کی سیکڑوں تینتین ہیں جن کا مستقصا ضروری نہیں۔

ان آیتوں میں بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب اسی لئے ہے کہ انسان اس سے متع اٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزوں کو انسان کا سوا کر دیا۔ تسخیر میں جس قسم کی تقسیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر ستعارہ یا شاعرانہ طرز اد معلوم ہوتا ہے لیکن رُخا ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ ستعارہ نہیں بلکہ حقیقی معنی مقصود ہیں۔ بھاپ بجلی۔ الیکٹرک سٹی اور وغیرہ یہ چیزیں کس طرح مسخر ہو چکیں، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لے گئے یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ ولذائذ جن چیزوں کا نام ہے گو وہ ہزاروں لاکھوں ہیں لیکن انکو اگر اقسام میں محدود کیا جائے تو کل تین قسمیں ٹھہریں گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔ تو نگر مری اور جاہ و دولت کو ان نعمات الہی میں شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان نبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کئے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

وَدَّعَدَكَ عَائِدًا مِّنْكَ تَحْيٰی

اور تیرے غم سے پامال تھا تو غمی کر دیا۔

دنیا کا تحفہ

حضرت سلیمان کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید میں نہایت شان و شوکت سے کیا اور اُس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اس کی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّكَدًا مِّنْكَ تَحْيٰی

خدا! مجھ کو ہر شے کی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کئے ان میں بڑا احسان یہ بتایا۔

اِنْ جَعَلَ قُلُوبُنَا فِتْنَةً وَجَعَلْنَاهُمْ لَكَ
 اَوْ جَعَلْنَاهُمْ لَكَ اَوْ جَعَلْنَاهُمْ لَكَ

تم لوگوں میں پیغمبر اور بادشاہ پیدا کئے

ایک اور آیت میں ہے۔

فَقَالَ نَبِيُّ آلِ بَرَاءِ هُمْ آلُ اللَّهِ وَكَانُوا هُمْ مَلَائِكَةُ
 سُبْحَنَ رَبِّهِمْ كَمَا نَزَلَ فِي كِتَابِهِ وَكَانُوا هُمْ مَلَائِكَةُ
 سُبْحَنَ رَبِّهِمْ كَمَا نَزَلَ فِي كِتَابِهِ وَكَانُوا هُمْ مَلَائِكَةُ
 سُبْحَنَ رَبِّهِمْ كَمَا نَزَلَ فِي كِتَابِهِ وَكَانُوا هُمْ مَلَائِكَةُ

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَكَلَّمُوا الصَّلَاحَ
لِيَسْتَعْلِفَهُمْ فِي الْأَرْضِ

صلہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور بخوبی سمجھے
کام کے یہ دے دیا کہ ان کو خلافت دیگا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہان ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیوں کا ذکر اس پر ایمین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیوں کو انسان کے اشرف المخلوقات معنیں ملا دیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الْدَارِ رِجَالًا
وَلَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَلَقَدْ كَرَّمْنَاهُمْ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا تَقْوِيًّا

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی و تری
میں پہنچایا۔ اور ان کو اچھے کھانے دے اور ان کو اپنی اکثر
خلوقات پر فضیلت بخشی۔

ایک بہت بڑا قریب جس سے پتہ لگ سکتا ہو کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے استقصا و تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے، ۲۱ جگہ اس خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۱ جگہ منہ کہا ہے، اور ۱۱ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے۔

قرآن مجید میں
ملک و ملت کو
کرنی کا ناطہ ہے
یاد کیا ہے

ضمیمہ

بحث نبوت از منطاط الجلیلیہ امام رازی

القسم الثانی من کتاب النبوة اثر فی تقریر القول بالنبوة علی حقیقتہ امر و ذی تصور

الفصل الاول فی تمیز هذه الطريق عن الطريق المشهور، فقوله علم ان القائلين

بالنبوة اثر فریقان احد هما الذين يقولون ان ظهور المعجزات علی يد النبي صلى الله عليه وسلم

يدل علی صدقہ ثم ان استدلال بقوله علی تحقیق الحق وابطال الباطل وهذا القول هو رطل

الاول وعلیه عاشر ارباب الملل الخلق والقول الثاني ان نقول ان نقول ان الحق والصدق

فی الکشف کانت ماهو؟ وان الصواب فی الاحتمال ماهو؟ فادع فنذ الک ثم رأيت

انسانا کذا هو الخلق ای الذين الحق رأيت ان يقول امرأ قوی فی من الخلق من البطل ای

الحق عن ذن انتمی صادق واجل ارجع وهذه الطريق اقرب لی العقل والشبهات فی

اقل وقلوبهم کلا ید ان يكون سبوقا بمقدار ما یست

المقدم الاول اعلم ان کمال حال الانسان فی ان یعرف الحق یدل انہ والمعجزات علی

به ولله دینہ ان کمال حاله محصور فی امرین احدهما ان تصیر قوة النظر شیه کامله بحيث

تجلی فیها امور الاشیاء وصفا لبقها بحکما کلاکبر عن الخطا والزلل والشرقی ان تصیر

له اس علی عذرت کا بعض علم کتب بن زبان اردو واکلیا

قوته العقلية كاملة بحيث يحصل لصاحبها ملكة يقدر بها على الاتيان بالاعمال الصالحة
والمراد من الاعمال الصالحة الاحوال التي توجب النفع لا عن السعادات الابدنية وتوجب الرغبة
في عالم الآخرة وفي الروحانيات فقد ظهر هذا انه لا سعادة للانسان الا بالوصول الى هاتين
الحالتين وهذه المقدمة مقدمة اطبقت الانبياء على صحتها وافق الحكماء الانبياء على حقيقتها
ولا تفرق في الدنيا اقلها كمال العقل الا هو يساعد عليها-

المقدمة الثانية الناس ينقسمون الى ثلث اقسام ^١أحدها الذين يكونون ناقصين في هاتين
المعارف وفي هذا الاحمال وهم عامة الخلق ومجهورهم ^٢وثانيها الذين يكونون كاملين في هاتين
المقامين ^٣الا انهم لا يقدر على علاج الناقصين وهم الاولياء وثالثها الذين يكونون كاملين
في هذين المقامين ^٤ويقدر على ايضا على معالجة الناقصين ويمكنهم السعي في نقل
الناقصين من حضيض النقصان الى اوج الكمال ولقوله هم الانبياء عليهم السلام وهذا
تقسيم معلوم مضبوط

المقدمة الثالثة ان درجات النقصان والكمال في القوة النظرية وفي القوة العملية
كانها غير متناهية بحسب الشدة والضعف والكثرة والقلة وهذا الكمال الصانع معلوم بالضرورة
المقدمة الرابعة ان النقصان وان كان شاملا للخلق عامة فيهم الا ان لا بد وان يوجد
فيهم شخص كامل بعيد عن النقصان ولا دليل عليه من وجوه الا ^١اولا اننا بيننا ان الكمال وان
واقع في الخلق على مراتب مختلفة لدرجة متفاوتة ثم اننا شاهدنا شتات ما بلغوا في شدة
النقصان وقلتها الفهم والادراك الى حيث قوبلوا بهائم والسباع فكان الكفiciency

الكمال لا بد وان توجد اشخاص كاملة فاصلة ولا بد وان يوجد فيما بينهم شخص يكون
 افضلهم وكلهم وهو يكون في اخر مراتب الانسانية واول مراتب الملكة الثاني ان الاشتغال
 يدل على ما ذكرناه وذلك لان الجسم العنصري جنس تحته ثلاثة انواع المعدن والنبات
 والحيوان وصريح العقل يشهد بان اشرف هذه الثلاثة الحيوان واسطها النبات فادناها
 المعادن ثم نقول الحيوان جنس تحته انواع كثيرة واشرفها هو الانسان وايضا الانسان
 تحته اصناف كثيرة مثل الرنخي والهندي والرومي والعربي والاfricanي والتوركي ولا يشك ان
 اشرفنا صنف الانسان واقربهم الى الكمال سكان وسط المعمورة وهم سكان المغرب
 المسمى بالاراب ثم نقران هذا الصنف من الناس تحتفون ايضا في الكمال والتميزة بالانسان
 يحصل فيهم شخص واحد هو افضلهم وكلهم على هذا قد ثبت انه لا بد وان يحصل في
 كل دور شخص واحد هو افضلهم وكلهم في القوة النظرية والعملية ثم ان العبودية
 يسمونه بقطب العالم وقد صدقوا فيه فانه لما كان الجرح الاشراف من سكان هذا
 العالم الاسفل هو الانسان الذي حصلت له القوة النظرية التي بها يستفيد الانوار
 القدسية من عالم الملكة وحصلت له القوة العملية التي بها يقدر على تدبير هذا العالم
 الجسماني على طريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو الكمال لا يشك
 الموجود في ذلك الذي وان المقصود لا يحصل من كل هذا العالم العنصري وجود ذلك
 الشخص ولا شك ان المقصود بالذات هو الكمال واما الناقص فانه يكون
 مقصودا بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو القطب لهذا العالم العنصري واول

فكأن تبع له جماعة الشيعة الامامية يسمون بالامام المعصوم وقد يعرفون به اجزاء الزمان
 ويقولون انه غائب لقد حصل قوا في الوصفين ايضا لان ذلك ما كان خالي عن انفس
 التي هي حاصلة في خيال كان معصوما من تلك المتناقض وهو ايضا اجزاء الزمان لان ذلك
 ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وما سواه ذلك لا يقع له ولا يضاف
 خاتمة الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذه الال واولهم
 واقل ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضا انه افضل اهل الدور وانه وان كان يعرف
 حال نفسه لا انه لا يمكن ان يعرف وخال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضا لا يعرف
 نفسه فهو كما جاء في الاخصار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قباي لا يعرفون غيري
 فثبت بهذا ان كل دور لا بد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لا بد
 وان يحصل في هذا الدور الالهية الحقيقة ودور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من
 كل اولئك الذين كل واحد منهم ممتاز ولا فريد حصة وذلك لئلا يشمل على
 مثل ذلك الشخص لا يوجد في الفسنة او الكبر او اقل الامور واحدة فيكون ذلك الشخص
 هو الرسول اعظم والنبى المكرم وواضع الشرايع والهادى الى الحقائق ويكون نسبتة
 الى سائر اصحاب الالاد والكنيسة الشمس الى الكواكب ثم لا بد وان يحصل في اصحاب الالاد
 انسان هو اقربهم الى صفات الدور في صفات القضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه
 كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه ويطبق ويشترط زمانا ما بقوى نسبة
 كل واحد منهم الى صفات الدور ولا اعظم كنسبة كوكب من الكواكب لسيار الارباب ثم علم الخلق

فهو بالنسبة الى الصحاح الكبار وارض مثل حوادش هذه العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر
الكواكب كما كانت كان عقول لنا قصيرين تكلم بانوار عقولنا صحاح الكبار وارض تقوى بقوى هذه
الكلام كلام معقول مرتبة على هذا الاستقراء الذي يفيد النقط واليقين -

المقدمة الخامسة ان خالسا انسان هو المثل لكاملين وافضل الفضل هو
العلماء يكون في اخر الاخرى الامم لان انسانية وقد علمت ان اخر كل نوع متصل بال
النوع الذي هو اشر منه ولا اشر من النوع البشري هو الملائكة فيكون اخر البشرية
باول الملائكة ولما بين ان خالسا انسان الموجود في اعلى ما في البشرية وجبات
يكون متصلا باول الملائكة ونجت طابعهم ولما كان من خواص عالم الملائكة البقاء
عن العلائق الجسمانية والاستيلاء على عالم الاجسام والاستغناء عن افعالها عن الاله
الجسمانية كان هذا الاستكمال موصوفا بما يناسب هذه الصفات فيكون قليل الانفكاك
الى الجسمانية فيكون في انصرافها شديد الامتداد الى عالم الروحانية فتكون
قوته النظرية مستكملة بانواع الجلالية القدسية والمعرفة الالهية وتكون قوته
العملية موزنة في اجسام هذه العالم بانواع التصرفات وذلك هو المبدأ من الخيرات
ثم بعد الفراغ من هذه المقامين تكون قوته الروحانية موزنة في تكامل
ارواح الناقصين في قوة النظر والعمل ولما عرف ان النفوس الناطقة مختلفة
بالمهيات فقد تكون بعض النفوس قوية كاملة في القوة النظرية وضعيفة في القوة العملية
وقد تكون بالصدفة تكون قوية في التصرف في اجسام العالم العنصري وضعيفة في

المعاد والالهية وقد تكون كاملة فاهية فيها جميعا وذلك في غلبة النورية وقد تكون
 ناقصة فيها جميعا وذلك هو الغالب في اكثر الخلق واذا عرفت هذه المقدسات نقول
 مرض القوس الساطقة شيعان الاعراض عن الحق والاقبال على الخلق وصحتها
 شيعان الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فكل من دعا الخلق الى الاقبال على
 الحق والاعراض عن الخلق فهو النبي الصادق وقد ذكرنا ان مراتب هذا النوع
 من الناس مختلفة بالقوة والضعف والكمال والنقص فكل من كانت قدرته
 على قيادة هذا الصحة الممل كان اعلى في درجة النبوة وكل من كانت قدرته في هذا
 البتة اضعف كان انقص في درجة النبوة فهنا ما اردت شرحه وبيان حال النبوة والله اعلم
الفصل الثاني القرآن العظيم يدل على ان هذا الطريق هو الطريق الاكمل
 الافضل في انبات النبوة اعلم اننا ذكرنا من القرآن ونفسها تظهر من ذلك
 التفسير صحة هذا الطريق الذي ذكرته فمنها سورة يسج اسم ربك لا على فتقول
 قد علمت ان الاصل هو الالهية والفرع هو النبوة فلا جرم جرت العادة في القرآن
 انه يقع الالهية ثم يقع النبوة ثم يقع اسم ربك في قوله يا ايها النبي اذ انزلنا
 الانجيل فينا اسم ربك لا على ومعناه انه اعلى من مناسبت جميع
 الممكنات ومشاهدة كل المحدثات لانها مكية من الماداة والصورة لا اعتبارا من الجنس
 والفصل باعتبار ان ومن قبولا لتغير والقضاء اما في الذات واما في الصفات
 وهو سبحانه اعلى من كل هذه الاشياء في كل هذه الصفات وفيه بطيخة اخرى لا يمكن ذكرها

واعلم ان اكثر الالام للذنوب كورة في القرآن على اثبات الاله تعالى محصورة في ثمانية
 واحدة وهي حد وثب للصفات وهي ابا في الميوات وفي الدنيا والميوات له بدن ونفس
 فقوله الذي خلق فسوى اشارة الى ما في ابدن لها من الجوانب وقوله والذي قد رفعه
 اشارة الى ما في نفوسها من الغرائب فيسبب بهذين الصابطين على الا نهائية له في الغيابة
 والغرائب فتابعه بن كماله لا على المخلوقة من النبات وهو قوله والذي اخرج المريع
 فجعله غشا وحوى ولما قوامه لا نهية تتبعه بتقرير امل النبوات وقد علمت ان
 كمال حال الانبياء في حصول احوال اربعة اولها كمال القوة النظرية وثانيها كمال القوة
 العملية وثالثها قدرته على تكميل القوة النظرية التي لا غير لا ولا بها قدرته على تكيل
 القوة العملية التي لا غير لا ولا تشكل كمال حاله في القوتين مقدم على قدرته على
 تكيل غير في هاتين القوتين ولا تشكل القوة النظرية اشرف من القوة العملية فضلا
 البيان يقتضي ان يقع كذا بدل اء ولا يشرح قوته النظرية وثانيا يشرح قوته العملية
 وثالثا بكيفية حاله في القدرة على تكميل القوة النظرية التي للنواقصين والاعبا بكيفية
 حاله في القدرة على تكميل القوة العملية التي للنواقصين فاذا ظهر كماله في هذه المقامات الثلاثة
 فيمكن ان يظهر له مبلغ في صفة النبوة والوسائل التي اعياها القصور اذ عرفته من انشراح
 انه تعالى لما ذكر اصول الانبياء في اراء الشروع في صفات النبوة قال سنقره
 فلا تنسى يعني ان نفسك نفس قدسية لامنة من غلط والتسبب الامانة بالله انه
 يحصل بمقتضى الجبلية الانسانية والطينة البشرية ثم اتبعه ببيان كمال حاله في القوة

العملية فقال ونيسرك ليسرى معناه ان تقوى ودواعيه في الإحمال التي تقيد اليسر و
السعادة في الدنيا ولا تفرق قولنا بين كمال حاله في هذين المقامين اتبعه بان امره بان
يتنفع بتكميل الناقصين وارشاد المحتاجين فقال فن كر ان نفعت الذكري
فقله فن كر امره بارشاد الناقصين وقوله ان نفعت تسببه على انه ليس كل من
ذلك يتنفع به فان النفوس الشاططة مختلفة فبعضها يلتفع به ذلك وبعضها
لا يتنفع وبعضها ايضا لا سماع ذلك السلوك كير لا في سماعه يكر في قلبه دواعي المحسوس
والغيبط والغضب الاصل على الجهل فقله انبه تعالى على ان المستمع ان السلوك كير
قد يتنفع به وقد لا يتنفع به اتبعه بين ان خاصية كل واحد من هذين التبعين
فقال سيد من محتوي ويتبعها الا شقي الذي يصل الى الذالك كير في حين ان صفته
من يتنفع بهن الذالك كير هو ان يكون الخوف غلب على قلبه والمخشية مستولية على
روح فلا حصل ذلك الخوف يطلب نداء المعاد فلا يجد يتنفع بارشاد هذين الخوف واما
الذي لا يتنفع بهن الذالك كير في تبت بعد منه ويحجب من القرب منه فهو النفس الموصوفة
بكونها شقي فانها تبقى في غناء هذا العالم وبعد الموت تقع في ميزان المحسوسات
فلا بين هذا في صفته فقال ثم لا يموت فيها ولا يحيا وانما قال لا يموت فيها
لما ثبت ان النفس لا تموت بموت البدن وانما قال ولا يحيا لانها وان بقيت حية
لكنها بقيت في العذاب والموت خير من هذا الحيوة فلهم اقال ثم لا يموت فيها
ولا يحيا ولما بين وعيد من لا يتنفع بن الكسبين كمال حال من يتنفع فقال قد اطلع

من تركي وذلك ان المقصود من تعليم الانبياء وقد يكونهم ارشادهم الى حقايق
 الدالة على خلاص الازمنة الظلمانية عن النفس والذات الى تحصيل لصفاء المحيطة الروحية
 في النفس لما كانت الدالة على ما ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي لا يحرم ابتداء بقوله قد اطلع
 من تركي ولما دمن تركية النفس تطهيرها عن الصفات الذمومة ولما ذكر ذلك لا يتبع
 بتحصيل ما ينبغي وذلك كما في القوة النظرية وفي القوة العملية ورئيس المعاد والشر
 ذكر الله ومعرفته ورئيس الاعمال الفاضلة خذ من الله فلهذا اقال وذكر اسم ربه فصل
 وهو اشارة الى استعداد الاشياء في كمال القوة النظرية بارشاد الانبياء وهو فصل
 اشارة الى استعدادها في كمال قوت العملية بارشادهم وهذا يتهم فرع الى حال المع
 عن الانقياد بارشاد الانبياء وهذا يتهم وبين ان ذلك الاعراض انما تولد عن حظ الدنيا
 وقوة الرغبة فيها فقال بل وتوكل الحيوة الدنيا فربما بين ان الرغبة في الروحانية
 التي تحصل في عالم الاخرة لا تحجة على الدنيا فلهذا الانبياء است وجبت احدهما انما خير من
 الدنيا الجسمانية وقد سبق تقريره في كتاب التفسير والثاني انما يبقى من هذه الجسمانية
 وذلك معلوم بالضرورة فقال والافترار والبقا واعلم انه ظهر بهذا الايات اموال رتبة
 اولها احوال الانبياء وانها صفة النبي والرسول وثالثها انقسام المستمعين الى
 من ينتفع بارشاد الانبياء والى من لا ينتفع به وبما ان احوال كل واحد من هذين القسمين
 ولا يعارض نسبة على ان خير الدارين الاخرة افضل وابق من خير الدارين الحيوة الدنيا والا فضل
 الاخرى الى التحصيل وعند هذا اقدمتم على احتياج الاشياء اليه في معرفة المبدأ ومعرفة

صفات الانبياء ومع قدر احوال النفس مع قدر لا يخرج ثم ختم السورة بقوله ان هذا في الصحف
 الاولى صحف ابراهيم وموسى والمعنى ان كل من جاء من الانبياء فانزل الله كتابا وصحيفة
 فالمقصود منه ليس لانه المراتب الاربع المذكورة ومن وقف على سر هذه السورة
 على الوجه الذي اخصناه علم ان حقيقة القول في النبوة ليس الا ما ذكرناه ومن جملة السور
 الاربعة بهذا المعنى سورة العصر فيدعي بقوله ان الانسان لغير خسر وذلك لان بين الله
 في بدنه تسعة عشر نوعا من انواع القوى وكلها ترجع الى الله تعالى وطبائعها وانها هي
 الحواس الخمس لظاهرة والجسم للباطنة والشهوة والغضب للسير النسانية ومجموعها
 تسعة عشر وهي الزبانية الواقعة على باطنها الجسد واما العقل فانه مصباح ضعيف
 واما حاصل بعلا ستيلا فذلك التسعة عشر على ملكة البين واذا كان كذلك الظاهر
 ان حبال الدنيا يستوي على النفوس والارواح فاذا لما البدن باقية النفس الخمس وال
 الحرمان فلهذا قال ان الانسان لغير خسر ثم انه استثنى من هذا الخمس ان نسان يتناول
 تزيان الاثبة وهو تزيان روحا مكبر من خلاط اربعة متخافا ولها مال لقوة النظرية وهو
 قوله الا الذين امنوا واتبعوا المالك لقوة العملية وهو قوله وعلموا الصلوات واتبعوا المسعى في
 تكميل لقوة النظرية للغير وهو قوله واتوا صوابا بالحق ولا يعبها المسعى في تكميل لقوة العملية
 للغير وهو قوله واتوا صوابا بالصبر واما حيل الصبر لان البلاء الاكبر في دعاء الشهوة
 الى الفساد ودعاء الغضب الى الاذى وسفك الدماء كما اخبر عن الملكة انهم قالوا
 الجعل فيها من ينسب اليه يوسف الدملو فاذا قد لا الانسان على الصبر على اجابة الشهوة

والغضب فبقوله خلت نيكيل الخيوات في القوة العملية ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكره
 انه تعالى لما حكي عن الكفار انهم طلبوا منه عيلة لسلام المعجزات القاهرة في قوله تعالى

وقالوا ان تؤمن لا نحكي بحيث نؤمن الا هم ينسوا انهم قالوا قل سبحان ربي

هل كنت الا غيورا رسولا يعني كوني الشخص شيئا موصوفا بالرسالة معك اكونه كمالا في

قوة النظرية والعملية ومقادير على معالجة الناقصين في هاتين القوتين وليس يلزم

من حصول هذه الصفة كونه قادرا على الاحوال التي طلبتموها منه ومن جملة الآيات الدالة على

ما ذكرناه انه تعالى لما قال في سورة الشعراء وانه انزل ربي العالمين اورده عليه سوال

وهو انه لو لا يجوز ان يكون هذا من تزييل الشياطين فقل جليا عنه ما تزييل الشياطين

تزييل الجوار فقال هل انبئكم على من نزل

الشياطين نزل على كل اذكا تيمر والمعنى انه لو كانت الدعوة الى طلبة الدنيا وطلبة الآخرة

والشهوات كان ذلك لا داعي افا كانها والذين يعينونه عليه هم الشياطين اما انادعو

الى الله والى الاخر من الدنيا والاقبال على الآخرة فلا يكون هذا باعانة الشياطين بل

باعانة الله فاستدل بكون دعوة دعوة الى الله والى الحق على كونه نبي صادقا لا ساحرا

كاذبا ولما اورده عليه سوال اخر وهو ان لكل واحد من الشعراء شيطانا يعينه على شعرا

فلم لا يجوز ان يكون حادك كذا اذ اجاب عنه بقوله الشعراء يتبعهم الغاؤون والموافقون في

كل واديه يهون والمعو ان الشعراء انما يدعوا الى المطمع في الدنيا والتعذيب في الآخرة البديهة اما ان

فادعوا الى الله والى الآخرة فانتفع ان يكون لناصر والمعين في هذه الطريقة هو الشيطان تطهر

الفرق فقد ظهر بهذه الآيات ان الطريق الذي ذكرناه في اثبات النبوة هو الطريق الأنفص

الأكمل والله اعلم

الفصل الثالث في صفة هذه الدعوة اعلم ان منصف الشيعة والوسيلة عبارة

من دعوة الخلق من الاشتغال بالخلق الى خدمة الحق ومن الاقبال على الدنيا الى الك

قبال على الآخرة فهذا هو المقصود الا يحصل له الا ان الناس لما كانوا احواسهم في الدنيا ^{حين} وفتنا

الى مصالحها وجلبان يكون له غرض في هذا الباب ايضا بقدر الحاجة فقول خوض

الرسول اما ان يكون فيما يتعلق بالدين او فيما يتعلق بالدنيا اما القسم الاول وهو ما

يتعلق بالدين فيجب عليه البحث في امور ثلاثة المآخى والحوال والمستقبل اما ^{ما} الثاني فهو

ان يرشد هم الى ان هذا العالم محدث وله المكان موجود في الاول ويبقى في الابد ومنه منزه عن

مماثلة الممكنات انه موصوف بالصفات المعنوية في الالهية والكمال وعلى قدره النافذة في جميع

الممكنات والعلم السامى في جميع معلوماته والوحداية المطلقة بمعنى كونه منزه عن كل اجزاء

والاجزاء والفردانية المطلقة بمعنى كونه منزه عن الضد والشد والصلبة والولول ثم

يجب عليه ان يبين لهوان كل ما يدخل في الوجود فهو بقضاء الله وقدره وان منزهة

عن الظلم والعبث والبطل واعلم ان هذا الذي ذكرناه يتفرع عليه انواع من البحث

الفرع الاول لا يليق بقصا الدعوة ايراد هذه المطالبات او ردها هل يجادل ولا شك

لان ذلك الطريق محل لسامعين على الاحتراض عليه وعلى ايراد الاسئلة فانه اذا اشتغل

بالمجواب عنها فربما اورد على تلك الاجوبة اسئلة ويحصل فتم بالمشاغبات والمجادلات

ولا يحصل المقصود بالبرهان بل الواجب عليه ايراد البرهان من خطورة لطريق الخطاية
من التزغيب في الترهيب فانه بسبب سبب من قولا المقدمات البرهانية يبقى مستعظما
في القول وبسبب سبب من طريقة الخطاية يكون تارة لا في القول والكل ويكون بعد
السامعين عن سوء الادب الذي يحصل بسبب المشاغبة والفرع الثاني انه
لا يجوز له ان يصحح بالتزنية المحض لان قلوب الخلق تنفر عن قبول مثل هذا
الكلهم فاذا وقع التصحيح به صار ذا اسباب لنفرة الخلق عن متابعتهم بل الواجب عليه
ان يبين انه سبحانه منزلة عن مشابهة المحدثات ومناسبة المكنات كما قال ليس كمثله
شيء وهو السميع البصير فيقول بعد ذلك هو القاهر فوق عباده لا اله الا هو يصعد الكلم
الطيب على عرشه من استوى ومنعهم عن البحث في هذه المضائق الا اذا كان من لا ذكاء
المتفكرين والعقلاء المفكرين فانه يعقله الوافر يقف على حقائق الاشياء وايضا يبين
لهم كونه العبد صانعا فعلا قادرا على الفعل التوكيد والخير والشر وسالغ فيه فالله الذي لا يهرج
المحض توكيده ولم يلتفتوا اليه ويدين لهم ايضا انه وان كان لا اله الا الله فبقضاء الله فلا
يعزدي عن علمه وحكمه مقدرة في السموات والارض ثم منعهم عن قصي الوجه عن الخوض في
ذلك الذي فاش فان طبع الخلق بعيد عن هذه الاشياء وبالحيلة فاحسن الطرق في عمارة
الخلق الى عبودية الحق هو الطريق الذي جاء به سيد الانبياء وهو محمد عيسى بن مريم وذاك
انه بايع في تعظيم الله تعالى جميع الوجوه على سبيل الاحمال ومنعهم عن الخوض في التفاصيل
خذلهم في انبائ التزنية قوله تعالى والله الغني والفقراء واذ كان غنيا على الاطلاق

امتنع كون موافق من الإجماع وإذا كان كذلك امتنع أن يكون متخيلاً وإذا كان كذلك امتنع
 أن يكون حاصلًا في إمكانية وإلزامًا وذكرنا قوله ليس كمثل شي ولو كان جسمًا
 لكان ذاته مثلاً لسائر الأجسام بناءً على قولنا الأجسام ثلثة بأسرها فتارة ذكر في شيء
 الاختصاص لفظاً كثيراً وبائع فيه وهذا هو الواجب لأنه لو لم يكن كذلك لفظاً لما انفرد
 عند الأكثرين كونه موجوداً وإيضاً بالبع في تقرير كونه عالمًا بجميع المعلومات فقال وهذا
 مفاتيح الغيد لا يعلمها إلا هو وقال الله يعلم ما تحت كل أنثى وما تعيض الأرحام فلو لم
 يقع في بيان أنه عالم للآلة وبالعلم وبين أيضاً كونه العبد فاعلاً وعاملاً وصانعاً
 وخالقاً محدثاً في آياته كثيرة تفرين في سائر الآيات الحكيمة والشريعة من الله ولم
 يبين أنه كيف يجمع بين هذين القولين بل أوضح الإيمان بهما على سبيل الإجمال ولا
 بين أنه لا يعجز عن شيء عن مشيئة الله وإرادته وقضائه وقدرته تفرين أنه لا يراد أن يظلم
 والعبد والباطل والحاصل أن طريقة في الدعوة هي تعظيم الله من جميع الجهات
 المعقولة والمنع من الخوض في بيان تلك الجهات هل تتناقض أم لا فإننا قلنا
 القبايح من أفعال العباد حصلت بتخليق الله فقد عظمنا بحسب الحكمة لكن ما
 عظمنا بحسب القدرة وبحسب الحكمة معاً فقال في الأول قل كل من عند الله وقال
 في الثاني ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك من سيئة فمن نفسك ثم
 منع الناس من أن يخوضوا في تقرير هذه التعارض وفي آياته بل الواجب على العوام
 الإيمان المطلق بتعظيم الله في القدرة وفي الحكمة وفي الحقيقة والذي قاله هو الصواب

الدعوة العامة لا تشتمل على هذه الطريق واما القسم الثاني من المباحث المتعلقة بالاديان
ما يتعلق باليوم الحاضر وذلك هو ان يكون العبد مشغولاً بزمان يجد منه المعبود
وتلك الحادثة ما ان تعبر في القلب فهو بالعارف بالعلوم واما بالبدن وهو الايمان
بالطاقة البدنية واما بالمال وهو الزكوة والصدقة ولما كان جمهور الخلق ^{حين} تحت
الحكم يشد يرسد هو الى هذه المعادف وهو البني لا يحرم وجعل الاقبياء ان
يجبوا عليهم الايمان بالانبياء والرسول

والقسم الثالث من المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم ^{المستقبل}

وهو معرفة الاخر والاحوال ما بعد الموت فهذه الاقسام الثلاثة اهم المهمات للانبياء ^{سل} والرسول
في ان يشغلوا بغيرها وفضل ان اثارها واعلم ان المهمتين ^{احدهما} احدهما
ازالة ما ينبغي والدلالة على التحصيل ما ينبغي ولا حول متقدم على ذلك لان اللوح اذا حصل فيه
نقوش فاسدة فالواجب ان لا تقاها حتى يمكن تحصيل النقوش الصحيحة فيه ثانياً فثبت ان
ان ازالة ما لا ينبغي متقدم على التحصيل ما ينبغي فلهذا السبب اول ما ذكره الله في القرآن
هذه الامور هي سبعة فلما ثبت ان ازالة ما ينبغي وهو المراد بالتقي فلهذا بد الله به ^{كلا}
فقال هذه الامور التي لا ينبغي واما سائر الامور التي لا ينبغي اشار الى تحصيل ما ينبغي واثبت
ما يتعلق بالانبياء والرسول واسطر الامور بالبدن واددونها للمال فلهذا ذكر بعد
قوله هذه الامور التي لا ينبغي فان محض الايمان هو القلب بعد قوله
ويقومون الصلوة لانها تنقش بالبدن واخر قوله وما رزقناه هو ينقش بالمال ^{وما}

ألهو لكن الكائنات اعطاه المحمد وصحبه على لاذهان نعم لستدلى على وجوده ^{حقيقته}
 باستشارة فان العقل والنفس وكثير من المغارقات تصور كالمحد لها ولا رسم وانما
 دين عليها بالبرهان ولو سلم سائل نبيا من الانبياء عن خواص الرسالة واهيتها
 وادراكها محبستها وفضلها ترى كيف كان جوابه عنها اذ كان يشترع في تحقيق ذلك
 وذكر هذا رسمه وقد يد خواصه حتى يتوقف على معرفة ذلك كمدان لو يعرف المستجيب
 خالك لا يمكنه تصد بتمامه كان يحجب عليه التصديق في الحال سواء عرفه الرسالة او
 لم يعرف واذا كانت الرسالة مرتبة فوق مرتبة الانسانية كما كانت الانسانية مرتبة
 فوق مرتبة الحيوانية لم يتوقف اتباع الرسول على معرفة الرسالة كما لا يتوقف استغفار ^{الحمل}
 على معرفة الانسانية بل لا فشا لو اراد تعريف الحيوان خواص الانسانية كان ذلك سفيها
 منه وتكليفه لا يطاق لكن لو اراد الرسول تعريف الانسان خواص الرسالة كان
 ذلك تكليف منه لا يطاق فلا لاط البتة عملية متوجرة ولا الجواز عنه لا زمر وهذا
 طال فخرجون موسى عليه السلام بذل كواهيته رب العالمين قال ومار رب العالمين قال رب
 السموات والارض وما بينهما ان كنتم موقنين وطالبين فانيا وقال فلما لم تجدوا لهم
 دلوين كرجسها ولا فضلا في تعريف سائله الا بالربوبية المحضه والتعريف بالخالق
 صكناياتها ودمانياتها والموايد التي بين المكان والزمان.

بيان ان الرسالة خطوة مكتسبة ارام اثره ربانية فنقول اعلم ان الرسالة اثره
 علوية وخطوة ربانية وعطية الهية لاكتساب محمد ولا ينال بكسب الله اعلم حبيب

رسالة ولكن الكسب وحيد اليك وحسن امرنا ما كنت ترى ما لكنا ولا الايمان
لكن الجود والكسب في اعدل النفس ليقول اننا الوحي بالعبادة المشفوعة بالفكر و
والمعاملات الخالصه عن الرياء والسمعة من نوازها فيلس الامر فيها اتفاقا جزافا حتى ينال
كل من دبر ودرج ومن تباع على جهد وكسب حتى يصيبها كل من بكر وادب وكما اننا
لنوع الانسان والملائكة لنوع الملائكة ليست كل شئ لا فتاح لنوع وان العمل بموجب
النوعية ليس يغلو عن التساوي واختلاف العمل واستعد اذ ان النوع لنوع الانبياء
ليست كل شئ لا فتاح لنوع وان العمل بموجب النوع ليس يغلو عن التساوي واختلاف العمل
واستعد اذ فيوحى اليه طه ما نزل عليك القرآن لتتقين تو رمت قد ما
من العبادة حتى قال فلا اكون عبدا شكورا وكان صلى الله عليه وسلم يتعقيل
الوحي وجبت عليه الخلو وكان يرى الرويا فيا في مثل خلقه فيصير على انها احوال
عرضية واعراض طارئة على النوعية بنوع استجبا واستعناق من كمال تركيز الجاهل وحب
الصورة وتمام الاعتدال وطهارة الشؤ والقرينة وطيب العمل في كلامه اخلاقا و
الصالح والثناء والوقار والين الجانب بفضله الجاهل والوجه والارادة والقيام والثناء
والباس على العمل وصدق الحديث واداء الامانة والصون من جميع الرغبات والخلق
بالفروع الفضائل وذكره العرف من جميع الدنيا والعقود من ظله والاحسان الى من اساء
اليه وصلة الرحم وحفظ الغنيمة من الجوار واحالة المظلوم واعانة الملهو ونحو
المعروف وبغض المنكر وغير ذلك ما ضل صاحبكم وما غوى في هذا العلم ما رغب اليه

وما طغى في ذلك اسم الله تعالى فلهذا نفوس الامم لم يخلقوا كرهية او هو غير متكبر ولا جبار
ولا فظ غليظ لها اذا سلكت ولا يثب اذا انطق لطيفا لا يثمل اذا احتك وسكن قد تخلص
باحتمال اعباء مما حمل من الرسالة فاداهل افاض رحمهم على العالمين فوافاه صلى الله عليه وسلم على انطقه ^{من}

بيان اثبات الرسالة

الجملي فهو كما ان نوع الانساثا تميز على سائر الحيوان بنفس ناطقة هي فوقها بافضلية العقلية
والمسخرة لها والمالكة عليها والمتصرف فيها كذا الك نفوس الانبياء عليهم السلام تميز عن
نفوس الناس بعقل هاد مهيدي هو فوق العقول كلها بافضلية الربانية وللدلالة بها
وللإلزام عليها والمتصرف فيها وكما ان حركات الانساثا مهيمنة على حركات الحيوان فليس حيوان يترك مثل
حركاته الفكرية والقولية والعقلية كذا الجميع حركات النبي مهيمنة على حركاته العقلية
مثل حركاته الفكرية والقولية والفعلية وكما تميز النبي عن الناس بعقله المناسب للعقول

المفارقة والعقل الاول كذا التقدير بنفسه المشاكل لنفوس السماوية والنفس العسكية
وكذا التقدير بطبقة من جهة المستعد لقبول مثل هذا العقل والنفس بالفعل وكما هي موصولة
في سنة الفطر لا الهية ان يكون من نقطة كل حيوان المسالك لا كما يتصور في سنة الفطرة
ان يكون من نقطة كل انساني الله يخلق ما يشاء ويختار الله يصطف من الملائكة رسلا
ومن الناس فهو المختار في طبعه ومن جهة المصطف بنفسه وقلة كذا في رايها احد من الناس
ومن وجه اخر النبي وان شارك الناس في البشرية والانسانية من حيث الوجود لا فقد بانهم
من حيث المعنى اذ بشرية فوق بشرية الناس لا تستعد اذ بشرية بقوله تعالى قل انما انبشئ

اشارة الى طرف المثلثة بجهة من حيث الصورة وهي الى اشارة الى طرف المثلثة من حيث

اما من حيث التقصيل فن طرف

الطريق الاول برهان الشيء من المحركات الاختيارية وهي اقسام ثمانية فكرية

وقولية وعلمية والحركة الفكرية يدخلها السج والباض والعلوية يدخلها الصدق والملك وبه العلمانية يدخلها الخير والشر وعندها اجبارا اصطلاحية والمعنى يستقيم فيها مفهوما ومنها الاشياء البقا على تضادها واختلافها باليست واجبة بجملة لها واجبة بالتفصيل فان من افق بهذا القول يكون مستحي العقل بفقره الا ان قد مر من جملة الحركات وهو واجب الفعل وليس كها واجبة التلكان من افق بهذا ينبغي ان لا يكون يتنفس لانه نفس متحركة وهي الوازكة فظهر من هذا بان بعضها واجب التكرار وبعضها واجب الفعل، واذا ثبت هذا فقد ثبت حد ود في الحركة حتى كان بعضها خيرا او اجبا للفعل وبعضها شرا او اجبا للتركيب التمييز بين حركة وحركة بالحد ولا يختلوا ما ان يعرف كل حد او يعرفه احد ويعرفه بعض ون بعض وظاهر انه لا يعرف كل حد وباطل انه يعرف كل حد فظهر انه يعرفه احد وان كل فثبت التقسيم الاول حد ود في الحركة وينتج بالتقسيم الثاني اصحاب حد ود يعرفونها وهم الانبياء واصحاب البشرائع والانسان اذا جمع نفسه علم انه اذا لم يكن عارفا بالحد ود يجب ان يكون في حكم اصحاب الحد ود فثبت المنبوات لبعض ود الحركة كانت -

الطريق الثاني نقول ان نوع الاشياء محتاج الى اجتماع في حركات الاختيارية

ومعاصرة للمصلحة ولو كان الاجتماع مطلقا لشخصه ولا يحفظ نوعه ولا حقيقة

وحرمة وكيفية ذلك الاجتماع ليس مسألة شرعية وبيان ذلك ان في استبقاء حياتنا
 واستحفاظ طوعنا واحترامنا له وحرمة محتاج الى تعاون وتماثل التعاون فلتحصيل اليسر
 مما يحتاج اليه في مطعمه ولباسه ومسكنه واما التماثل فلحفظ ما له من نفسه ودلالة وحرمة
 وماله ولكن الا في استحفاظ طوعه يحتاج الى تعاون في الاثر والواجب والمسالمة وتماثل بحفظ
 ذلك على نفسه وهذا التماثل والتعاون يجب ان يكونا على حد واحد ودقضية عادلة و
 سنة جامعة مانعة ومن المعلوم ان كل عقل لا يفنى بتمهيد هذه النسبة على قانون يشمل مصطلح
 الشئ جملة ونقص حال كل شخص فصيلا الا ان يكون عقله ويداؤه وحيثه فيض للرب لا يستحق من
 الروحانية الذي قضيت لحفظ نظام العالم وهو بما لا يعجز عن على سنن في الخلق سائر و
 بحكمه حاكمون فيكون الفيض متصلا بها من التقدير في الاحكام ثمرتها وانها على الشخص
 تلك الامانة القابل لاسرار الله ياتى تتبع الحق في جميع الامور ويتبع الحق في جميع المحرمات كما
 الناس على مقادير عقولهم لعلنا لو اقف على تلك المقادير ويكونها العباد على قدر الاستطاعة
 بقدر رتبة المحطة تتلك الاختلاف وهذه الدلائل في وجوه الاصل واحد وهو اثبات الامور عز وجل
 وهو الطريق الثالث لاثبات النبوة ومن لم يعرفه لم يعرفه في النبوة قط فان
 النبي متوسط الامر كما ان الملك متوسط الخلق والامر وكما وجب الايمان بالله من حيث
 الخلق والامر كذلك وجب الايمان بالله متوسط الخلق والامر كل الامور بالله ولا تفتك وتكبر
 ورسوله والطريق في اثبات الامر على نوعين احدهما ان الملك انما هو صاحب الامر على الجانب
 الموجود على الامور وان الخلق كما احتاجت بعدد ما على ملكها بالثبوت في الامور من الخلق

الى غير ما اعنيته وبخلافهما الى غير جهاتهما الطبيعية لاحتاج الى كون المحرك مريداً
 محتولاً لثمة المتوجهة منها الى نظام الغير دون الفساد والشر احتاجت الى كون المحرك امراً
 امر التدبير وذلك قوله تعالى واوحى في كل سماء امرها ثم المحرك الانسانية كما احتاج الى
 ارادة عقلية في جهاتهما المتباينة كذلك احتاج الى مكلف الامر في حدودها المختلفة حتى
 يختار المكلف الحق دون البطل في الحق كالفكرية والصدق دون الكذب في الحق كالقولية ^{لغير}
 دون الشر في الحق كالعلمية وكما ان امر التدبير جاء على عموم الخلق لنظام وجود العالم الكبير
 كله وذلك قوله تعالى والشمس والقمر والنجوم مسخرات اياهن الا له الخلق والا هم تبرك الله العليين
 كذلك الامر للتدبير جاء على خصوص الخلق لنظام وجود العالم الصغير وذلك قوله تعالى
 يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذي خلق لكم الاجسام كلها وخلق لكم في كل زمان امراً وبواسطة بني فذل
 التقدير وهذا هو التكليف -

الطريق الثاني في اثبات الامر الاول ان نقول قد تحقق وتبين للبراهين
 ان الاول المبدع مالك مطاع فله الخلق كله ملكاً ومليكاً وكل ملك فله سلطان
 امر ونهي وترغيب وترهيب ودعدو وعيد ولا يجوز ان يكون امره محدثاً
 مخلوقاً فان المخلوق من حيث هو مخلوق لا يلد الا من خلقه فليس له اية على الامر بمعنى
 الاقتضاء والطلب والتكليف التعريف والحث والزجر والترغيب والترهيب ومن لم
 ثبت له حق على احد يطاع فقد احال كل هذه الامور والمواد التي لا بد منها من ^{الشيء}

النبوة مقصورة عليه غير متعد عنه وما يضيئها الى الله تعالى قال الله وذكر الله وغير
الله وهو الله ووعد الله ووعد الله يكون مجاز الحقيقة وتروى بالكلية على العامة
لا تحقيقا ومن اظلم من افترى على الله كذبا وقال اوحى الي ولوح الي شيء فقد نسبوا
النبي الذي في اعلى درجاتنا الى الشك لظلم الذي هو اسفل لدرجاتنا والحق الذي
هو اخبث الشيعات جعل من النبوة عن ذلك

بيان خواص النبوة ولها خواص ثلثة احدها تابعة لقوة التحصيل و
الثانية تابعة لقوة العقل المنظري والثالثة لقوة العقل العملي -

الخاصية الاولى فاعلم انه ليس يمكن ان يبرهن على مبادئ العلوم و
مقدماتها من العلوم نفسها فليس لها ههنا ان كل معلول فيجب ان يلزم عن حله حتى
يوجد وما دام ممكن لوجوده فليس يوجد وان الحركة السماوية اختيارية وان الحركة
الاختيارية لا يلزم الا من اختياريا بالوجه للفعل وان الاختيار لا يلزم الكلي لا يوجد حتى
فان يلزم كانه الجزئي بعينه عن اختياريا يخصه بعينه وان الحركة التي توجد بالكلية
جزئية فيجب ان كانت اختيارية ان يكون عن اختيارية جزئية فيجب ان يكون الجزئي كالحركة
الجزئية ولا يكون العقل صرفا بل يكون نفسا يستعمل له تصانيفه تدرك بها امور اخرى
ادراكا امان يكون تحيلا ولعقلها امور رفع من التحصيل وله ايضا عقل كلي يستعمل
من العقل المفارق الذي يدرك العلوم الكلية وهذا كله مبين في العلوم الالهية فيظهر من
هذه ان الحركة السماوية يجوز لكل واحد منها جوهر نفسا يتعقل الجزئي بالانوار العقل

الذي يخصها ويرتسم فيه صورها وصور المحركات التي يختارها كل واحد منها ويعاونه
حتى يكون هيا المحركات يتحد وفيها دائماً حتى يتحد المحركات فيكون يتصور كالمحالة
حينئذ انما انما التي يورى اليها المحركات في هذا العالم ويتصور هذا العالم ايضا بتفصيله
وتلخيصه والافعال التي فيها كغيرها من الاشياء ويلزم ذلك ان يتصور الامور التي يتحد في
المستقبل وذلك انها امور يلزم وجودها عن النسبة التي بين المحركات كالمعلقة عند
بالشخصية والنسب التي بين الامور التي هيها والنسب التي بين هذه الامور وذلك المحركات
فلا يخرج النسبة عن ان يكون حد في المستقبل لانما الوجود هذه على ما هي عليه في الحال
فان الامور ان يكون بالطبع واما ان يكون بالاختيار واما ان يكون بالاتفاق والتي
يكون عن الطبع اما طبع حاصل ههنا او ليا وطبع حادث ههنا عن طبع ههنا وطبع حادث
عن طبع سماوي واما الاختيار لانها يلزم الاختيار والاختيار حادث وكل حادث بعد
ما لم يكن فليعلمه وحد وثباته يلزم وعلمه انما هي كالمعلقة على احد الجملتين سماوي
او شمس مشترك بينهما واما الاتفاق وهي صطكا كالمصداق بين هذه الامور
والاختيارية بعضهم بعض في مجاريها فيكون اذن الاختيار ممكنه ما لم يجب لو جاز
واما يجب ان تهابل بالقياس الى عملها والى الاجتماع التي لعل شوقا فيكون
كل شئ متكون متصور للجميع الاحوال الوجود في الحال من الطبيعية والالادة الارضية
والسماوية ولما اخذ كل واحد منها مجرا في الحال فانما يتصورها يجب على استقرار هذه
ما نحن هاهنا كالمعلقة والاهم يجب عليها كما قلنا في الكائنات اذا قد يكون قبل

لا من جهة ما هي مكنة بل من جهة ما يجب وانما لا ندر كها نحن لانه اما يخفى علينا جميع
 اسبابها الاخذ لا نخوها ونظهر لنا بعضها فمقدرا ما يظهر لنا انها يقع لنا حدس
 وطم بوجودها ومقدرا ما يخفى علينا انها لا يكون الشك في وجودها واما المحرك
 للاجرام السماوية فيخصر جميع الاحوال المتقدمة معافيل من ان يحضر جميع الاحوال المتقدمة
 معافيل كونه في العالم بما يريد ان يكون فيه يرسمه ذلك الصورة لا وحدها
 بل الصورة العقلية التي في الجواهر المتفارقة غير محتجبة عن انفسنا المحيطة بالثبوت من جهة
 انما المحيطة هو في قولها اما لضعفها ولا اشتغالها بغير الجهة التي عند يكون الوصول
 اليها ولا اتصال بها واما اذا لم يكن احد المعين فان الاتصال بها متدلل وليس مما
 يحتاج انفسنا وادراكها الى شيء غير الاتصال بها وسطعتها واما الصورة العقلية
 فان الاتصال بها بالعقل النظر واما هذه الصور التي الكلام فيها فالنفس انما يتصورها
 لقوة اخرى وهو العقل العلي ويحد من هذه القوت التخييل فيكون الاكوار المحيطة بنا الهما
 النفس بقوتها التي تسمى عقلا عمليا من الجواهر العالم النفسانية ويكون الاكوار الكلية
 بنا الهما نفس بقوت التي تسمى عقلا نظريا من الجواهر العالية العقلية التي لا يجوز ان يكون فيها
 شيء من الصور المحيطة بالثبوت وتختلف الاستعدادات للنفس جميعا في الانفس خصوصا
 الاستعداد لقبول الجواهر بالالاتصال بهن الا الجواهر النفسانية فبعض الانفس
 يضعف فيها او يقل هذا الاستعداد لضعف القوة التخييلية وبعضها لا يكون فيه
 هذا الاستعداد اصلا لضعف القوة التخييلية ايضا وبعضه يكون هن افه اقوى

حقان المحس اذا ترك استعماله القوة المتخيلة وترك شغلها بما يورده عليه جذبها القوة
 العلمية المتلك المجردة حتى انطبع فيها تلك الصورة الا ان القوة المتخيلة لما فيها
 من الغريزة المحاكية والمنقلة عرضت الى غير ذلك كما اخذت في يورده شبيهه اوضح
 او مناسب كما يعرفه اليقظان من انه يشاهد شيئا فينطبع عنه القليل لا الشيء كله
 يحضرها ما يتصل به بوجه تنبيه الشيء الاول فيعود على السبيل الى التخييل والتحمين
 ويرجع الى الشيء الاول بان يأخذ الحاضر مما قد تادى اليه الخيال فيفطر انه خطه الخيال
 تابع لأي صورة لقد مته وتلك لا في اخرى ولكن كشيء الى اليد ويبتدئ كروا نسيب
 لكن الكالتعبير هو تحليل بالعكس لفعول التخييل حتى ينتهي الى الشيء الذي يكون النفس شاهدة
 حين اتصالها بذلك العالم واحد المتخيلة ينتقل عنه الى اشياء اخرى فيها طبقة وطبقة
 اخرى يقوى استعداد نفسه حتى تسمى ما ناله هناك ويستقر على الخ الى مرغوان يغلبه
 الخيال وينتقل الى غير ذلك فيكون الرويا التي لا يحتاج الى تغيير وطبقة اخرى تدعى تلك
 الطبقة وهم القوم الذين يلبس من كمال قوتهم المتخيلة وشدة قواها انما تستقر قوا القوى
 الحسية في البراء ما يورده عليها حتى تنفعها اذا عمن حدة النفس لثا طقة في اتصالها بتلك
 المبادئ الموجبة اليها بالامور الخيرية وتصل كن ان في حال يقظة وتقبل تلك الصورة
 ان التخييل يفعل مثل ما يفعل في حال اليقظة والمحتاج الى التغيير ياريا خذ تلك الاشياء والحوال
 يحاكها وليست على الحسية حتى يورثها يتخييل فيها من تلك فوقيه بنطاسيا بان ينطبع الصور
 الخاصة فيها في البطاسيا المشاركة فيشاهد صور الالهية عبيدته وميتة واقاديل الالهية عبيدته

تلك المذركات المرحية وهذا ادون ذلك المسمى بالنبوة واقوى من هذا ان
 يستثبت تلك الأحوال والصورة على هيأتها مانعة بالقوة المتخيلة عن اكتمالها في المحركات
 بأشياء أخرى واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرا في محركاتها والعقل والعمل والوهم
 لا ينفك عن استنباطه فثبت في الذكرة صورة ما أخذ وتقبل المتخيلة على بنطاسيا
 ويجال فيه فاقبلت بصورة عجيبة سموعة وبصورة ويؤدي كل واحد منهما على وجه
 وهذه طبقة النبوات المتعلقة بالقوة العقلية والعملية والخيالية وانظر قصص القل
 كيف تتعجب من أفعالها كأنه شاهد ها وحضرها كأنها كانت من النبي ومسمع وكف قصص
 يحدث لو يكرها أحد منكري النبوة ولا يتعجب من قولنا ان التخيل قد يسم في
 بنطاسيا في شاهد في المجازين قد يشاهد وما يتخيلون ولذا الكسلة يتصل بأمانة
 السبيل الذي لا جله يعرض لهم ويرى ان يخبروا بالأمور الكائنة فيصدقون في الكثير ولذا
 مقدمة وهي ان القوة المتخيلة كالوضوغة بقرتين مستعملتين لها سافلة وعالية ما
 السافلة فالحسن فانها يورد عليها صوراً محسوسة تشغلها بها واما للعالية فالعقل فانه
 بقوته يصرفها عن التمثل للكتابة التي يوردها الحواس عليها ولا يستعملها العقل فيها وأجـ
 هاية القوى على استعمالها المحول بينها وبين التمثل من إصدارها لها الخاصة
 على التام حتى يكون الصور التي يحد بها الحديث ينطبع في بنطاسيا انطباعاتا ما فيمكن
 فاذا عرض عنها أحد القوى لم يجد ان يقاوم الاخرى في كثير من الأحوال فلتتق
 عن نفسها فيمنعه فتارة يتنصر عن مجازاة الحس فيعوى على مقاومته بعقل

ومغير فيها هو فعلها الخاص غير ملتفت إلى معاناة العقل وهذا في حال النوم وعند
 احضارها الصورة كالمشاهدة وتارة يتلخص عن سياسة العقل عند فساد آلة الوقت
 ليستعملها العقل في تدبير البدن فيستقصى على المحس ولا يمكنها من شغلها بل يعين
 في إزائها فعينها تحييل ما ينطبع فيها من الصور كالمشاهدة لا الظواهر في الحواس وهذا
 فقال الجنون وقد يعرض مثل ذلك عند الخوض ما يعرض من ضعف النفس وانحلالها واستيلاء
 الوهم والظن للعين للتخييل على العقل فيشاهد صوراً موحشة فلم يربر والمجانين يعرض
 لهم ازدياد تخييلهم ليس بمجدد السبب وأما أخبارهم بالغيب فما يتفق أكثر ذلك لهم
 عند احوال كالصرع والغش فيفسد حركاتهم المحسية وقد يعرضان لكل قوتهم
 المتخيلة لكثرة حركاتهم المضطربة لأنها قوت بدنية ويكونهم من المحسوسات مخرجة
 فيكثر رفضهم للمحس وإذا كان كذلك فقد يتفق ألا يشتغل هذه القوة بالحواس اشتغالا
 مستغرقا ويعرض لها أدنى سكن عن حركاتها المضطربة وليس سهل الاعتناء بتجديدها
 مع النفس الناطقة فيعرض للعقل العلى اطلاع إلى اتقى علم النفس المذكي فيشاهد لها
 ويتأدى ما يشاهده إلى الخيال فيظهر فيه كالمشاهدة لمسمع مخيف عند إذا أخبر به
 المرء وزوجهم وقد يقال يكون قد ملكهم بالكلمات المستقبلة ولا ينبغي أن نعلم
 هذا البياض فقد ادينا فيه نكت الأمور المكنونة فان قال قائل إذا كان هذا
 الجن والكهنة والعرافة ونحو المجانين ربما يخبرون عن الغيب ويصدق خبرهم
 ويندرون بركاته ويتحقق أثرها فبطلت خاصية النبوة والجواب أن يقدربنا

قبل ذلك في البيئات المتقدمة من التخييل في الحيوان على تفاوت وتفاضل وتصادد
 ترتب حتى قال بعض الحكماء ان اعلى درجاته ان يصل النفس الى النفس التي هي
 مد بروك العقل لذى هو واحد بالصور ولو كان الجزئيات من الموجودات كانت ^{سنة} القاطنة
 متصورة بتخييلة في ذات النفس الفلكية والاله اما فاض على مادة لا يستحقه
 ولا مانع له لصور الوازم الجزئية من الكائنات عنها في العالم العضوي وانه يمكن
 المعنى صالات حسب السمانية زيادة عنه على العقل لمفارقة نظيره رأى جزئي واخر
 كلي وان كان الراء الكلي مستلزم من العقل فاذا فهمت هذا فلا نفوس البشرية
 التي تنفق بنقش ذاك العالم بحسب الاستعداد ورواها للمانع ويكون كل آلة المقابلة
 للنفس الفلكية حتى يقع فيه جميع ما في النفس الفلكية فالى هذه الحد عظموا المخيال
 وما في جنات السفلى فالى حيوان عديم التخييل او ضعيف التخييل سرع النسيان لا يمكن ان
 يستثبت الصورة عتاً او لحظة بل يتجدد له الخيال بحسب تجديد الحركات وهذا على
 منطاعتها والتفضل ولما ما هو على منطاعتها بالتصادف فليخيل وتخييل كله حتى نشأ
 عن نفس خيرة وهي كخيال وتخييل كله نشأ عن نفس شريفة وكخيال وتخييل بين الطرفين
 ان التمثيل الحيواني المتقرب به وان التمثيل البشري المتقرب به وهذا منطاعتها من الكلام وهو
 انما هو عقل يتجدد عن كل خيال وانما خيال يتجدد عن كل عقل وانما عقل يتجدد عن كل خيال وانما
 خيال كله عقل وهذا هو عمل من خيال وخيال هو عمل من عقل وعقل هو عمل من خيال
 عمل من عقل وهذا هو عمل من الخيال ووطن على ارجح العلم وانهم ظنوا انهم

ان يعث الله احد اشارات الما^ن الظن الاول وانا ظننا ان لن يعث الله في الا^صح^ن في^ن يعث
هو با^ا اشارات الما^ن الظن الثاني واختصاص الظن بالبحر في القرآن يشير في خصائص
البحر ان وجودهم خيال وتصوراتهم خيالية وصورة هو لا يترأيا الا الخيال وكما ان
الخيال على وسط بين الحسن والقبح فكل ما هو في علم وسط بين الجسم والروح كالحسن
والشياطين والادوساط ابدان تكون من وجدة من الصل بين

الخاصية الثانية للنسبة وهو تابق القوة النظرية فنقول من المعلوم ان
ان الامور المعقولة التي يتوصل اليها التساويها بحصول الحد الاوسط بعيد الجهد
بها انما يتوصل اليها التساويها في القياس وهذا الحد الاوسط قد يحصل على ضربين
من الحصول فتارة يحصل بالحدس والحدس هو فعل لا ذهن يستنبط به الحد^س الا^و
والذكاء قوة الحدس وتارة يحصل بالتعلم ويتأدى التعلم الى الحدس فاذا استدل^و
يتوصل الى الحدس وسنستنبطها اربا^ا تلك الحدس وتوارد بها الى المتعين فحاز^ن
ان يقع للا^ن انفسه الحدس وان ينعقد في ذهنه القياس بل يعلم بشي^ن وهذا يتفق
بالكم والكيف اما الكم فلان بعض الناس يكون اكثر حدس^ا الحدس والوسط واما
بالكيف فلان بعض الناس يكون اسرع زمان حدس^ا فلان هذا التقا^ا وليس منحصرا
في حد بل يقبل الزيادة والنقصا^ا فمنهم من لا يعي^د عليه الفكر برادة ومنهم من له قوة
الحدس ويستوعب لفكرا^ا ومنهم من اتفق من ذلك وله اصابة في المعقولات وذلك ان^ن
غير مشابة في الجميع بل ربما قللت وربما كثرته فلما انك تجد حدس^ا التقصا^ا

ينتهي المحذور من عدم الحدس فالتفكر في الزيادة يكون ان ينتهي الى حد
 يستغنى في التحويلات الفهم والتفكر فيحصل له العلوم دفعة ويحصل معه
 الوسائط والدلائل فيمكن اذاً ان شخصاً من الناس هو يد النفس لشدة الصفاء
 وكمال الاتصال باللباد العقلية الى ان يستعمل حدساً في كل شيء فيستعمل فيه الصور
 التي في العقل الفعالي اما دفعة واما قتيلاً من دفعة التمام لا لتقليد يابل يقين يعلم
 الحدس والوسيط والبراهين اللائحة والدلائل الواضحة والفرق بالحدس والتفكر
 ان التفكير في الحركة للنفس في المعنى مستعينا بالتحصيل في الكثرة لا يطلب بها
 الحدس الاوسط وما يخرج بحجج الامام صار به العلم بالمجهول حالة الفقد استعرا
 للمخرج في الباطن وما يخرج بحجج الامام قريبا من العلم للظواهر بما اثبتت واما الحدس
 فهو ان يمثل الحدس الاوسط في الذهن دفعة بان يعلم العلة فيعلم المعلوم او يعلم
 الدليل فيحصل له العلم بالمدلول دفعة او قريبا من دفعة وهذه الموصول يكون في
 عقيب طلبه شوق وقد يكون من غير طلبه لشيء بان يكون نفساً شريفة
 قوية مستقيمة في نفسها فيحصل له العلم ابتداءً ولا يحتاج الى اختياره كذا رتبة
 يضيء ضوء الفطرة ولو لم تفسد نار الفكرة ولا يفارق طريق الا لهام والحدس
 طريق الاكتساب والتفكر في نفس العلم ولا في محله ولا في سببه لا لتحصيل العلم بنفسه
 سبب العلم العقل للفعال او الملك للمقرب ولا يفارق في جهة ذوال الحجب اما في ذلك
 ليس باختيار العبد ولم يفارق الوجه الا لهام في شيء من ذلك بل في مشاهدته

الملك المفيد للعلم سوال فان قال قائل اذا كان هذا القوة الحسية موجودة في
 غير النبي فان الانسان يجد في نفسه هذا القدر من مسائل كثيرة لكل حد في صناعته
 حد ودرجات شرط في البين ان يكون في جميع العقولات فهو شرط غير موجود فانه يحتاج
 عليه الحد من فمستلة او مسائل وايضا فان عقله حين يكون غير مستبصر عليه شيء من العلم
 والشهادة فيكون بعينه عقلا بالعقل فلا يحتاج الى اوسط فلا يكون له حد ودرجات تثبت له
 الحد من فهو خلف فان كان الحد من في بعض المسائل فقد شاركه فيه غيرك وليس يحتاج له ولا
 ليس بعض المسائل او من بعض وليس حد حد ويتخص بالنبوة فلم يتبع الخاصية النبوة
 واليقين قد يتيم العقل اربع مراتب الهيولاني والمملكة والعقل بالفعل والعقل المستفاد
 ففرا مرتبة توجع للنبي خاصية تميز بها عن سائر الناس الجواب ان نقول من لم
 ثبت في العقول انسانية تضاد او ترتيبا لم يستعمله ابتداء هذه الخاصية اما التضاد فعقل
 النبي وعقل الكافر واما الترتيب فيعقل النبي وعقل الصديق والمتصان خاصا يحتاجان
 الى حال ليس فوق حاكم والمترتبة ينتهيان بعقل ليس فوق عقل وعلاويهما جميعا عقل
 فوق العقول كلها وحالها عليها وتصرف فيها ونحو جهات القوة الى الفعل
 ومكملها بالكلية الى قصدها في الكمال الا ان لكل واحد منها فلا يمكن التفسير
 على حد محدد واما اذا كان يمكن ان يقال ان لهذه القوة قابلية للزيادة والنقصان
 فعقل النبي فوق العقول كلها-

الخاصية الثالثة التابعة للنفس فتقول قد ظهر لنا في العلوم الكونية ان
 النفس

الروح في الجسم العالمية تابعة للوجود للصورة التي في النفوس والعقول الكلية وان هاتين
 المادة طوع لقبول ماهو متصور في عالم الغيظان تلك الصور العقلية مبادى لها في الصور
 الحسية يحفظها بذاتها وجود هذه الاشياء في العوالم الجسمانية ولا نفس الانسانية قوية
 من تلك الجواهر وقد يجد لها فضلا طبيعيا في البدن الذي لكل نفس فان الصور في الاله
 التي يرسم في النفس يتبعها ضرر ولا شكل قمر ولا اعضاء وتحريك غير طبعي وسيل غير
 غير يري من غير لها الطبيعة والصور الخوفية التي ترسم في الخيال عنها تحدث عنها في البدن
 مزاج من غير استعمال غير محيل طبيعي سببه فيفسر الصورة العضوية التي يرسم في الخيال
 يحدث في البدن مزاج اخر غير محيل سببانية والصور العنصرية عند القوة الشهوانية
 اذا المحقق في الخيال تحدث عنها مزاج يحدث في الماداة الرطبة في البدن ويجوز ان يكون الى
 العضو الموضع الاله العقل الشهواني حتى يستعمل الكائنات وليست طبيعة البدن
 الا من عنصري العالم وليكون هذه الطبايع موجودة في جوهر العنصر لما وجد في هذا
 البدن ولا ينكر ان يكون من القوى النفسانية ماهو اقوى فعلا وتأثيرا من النفس النخس
 حتى لا يقتصر فعلها في الماداة التي رسو لها وهو بدنها بل اذا شاءت تحدثت في ماداة
 العالم ما يتصوره في نفسها ويكون مبدأ ذلك احد تحريك وتسكين وتدبير
 وتسخين وتكثيف وتلين كما يفعل في بدننها فيتبع ذلك ان يحدث تحجب
 ها طلة ورياح وصواعق ولا في صياح مبيدة ويتبعه ميكاد وحيوز جارية
 وما شبه ذلك في العالم ارادة هذا الكائن الذي يقع له هذه الكمال في جبهة النفس

فمكون خيرة متعلية بالسيرة الفاضلة ومحامد الاخلاق وسير الروحانيين مجتنبين
 الرذائل وذنبا لا يفوزون بحجة من الانبياء اي يدعى النبوة ويتحدى بها ويكون
 هذه الامور مقرنة بدعوى النبوة او امة من الاولياء ويزيد تركية لنفسه وضبطه القو
 وسلاسلها من هذا المعنى زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الكامل فيصير كانه نفس ما
 للعالم والذي يقع له هذا في جبلته فمكون شريرا وليست له في الشر فهو السطر الخبيث
 واعلم ان هذه الاشياء ليس لقول بها والشهادة لها على ظننا ما كناية صير اليه ممكن
 امور عقيدته فقط وان كان ذلك المعتبر لو كان ولكنها تجارب لما ثبتت طلب
 اسبابها ومن حسن الاتفاق على الاستبصار ان يعرض هو هذه الاحوال في انفسهم
 او يشاهدوها من امواليته في غيرهم حتى يصير ذلك ذوقا في ثبات امور عجيبة
 لها وجود وصحة وداعية الى طلب سببها فانه اذا قدر الذوق بالعلم كان
 ذلك من اجسام الفوائد واعظم العوائد والله ولي التوفيق

خاتمة لهذا الباب في فضل النوع البشري من ادنى الكمال فحسب

القوة النظرية حتى استغن عن العلم البشري اصلا واذا القوة المتخيلة مستقامة
 ودعمة لا يلتفت اليه العالم المحسوس بما فيها حتى يشاهد العالم النفساني بما فيه من
 احوال العالم وليست بينهما في البقطة فيصير العالم وما يجري فيها متمثلا لها و
 متنقشا بها ويكون لقوة النفسانية ان تترقى في عالم الطبيعة حتى تنهض الى درجة
 النفوس السماوية فوالذي لا اله الا هو ان الاكلان وليا الاكل الثالث ثم الذي له هذه

التہیؤ الطبیعیہ فی القوی النظریۃ دون العلیۃ توہیکتسب ہذا الاستکمال فی القویۃ
 النظریۃ ولا حصۃ لہ فی امر القویۃ العملیۃ من الحکماء مدکورین نہ الذی یسئل فی
 القویۃ النظریۃ لا تہیؤ طبعیہ ولا استسابق الحکماء وکن لہ التہیؤ فی القویۃ العملیۃ
 فالرئیس المطلق والملک الحقیقی الذی یتحتو بذاتہ ایشاک ہوا اول من العین
 المدکورین الذی ان نسب نفسہ الی عالم العقل وجد کاندہ یتصل بہ درجۃ
 وان نسبی الی عالم النفس وجد کاندہ من سکون ذال العالم وان نسب نفسہ الی
 عالم الطبیعیۃ کان فعلا فیہا ما یشاء والذی یسلوہ رئیس کعبیر کعبیر
 فی الموتیۃ والباقون ہم اشراذ النوع الانسانی وکرامہ واما الذی یزلیس
 لہم استکمال شری من القوی الانہم یصلحون الاخلاق وبعینور الملکات الفضلیۃ
 فہم الاحکماء من النوع الانسانی لیسوا من ذوی الملتب العالیۃ الانہم متقدمین
 عن سائر اصناف الناس۔

تثنیہ۔ سراج القدس کے صحیح نسخے بہت کیاب ہیں میرے پاس دو نسخے تھے جن میں سوا یک قریب اور نسبتہ
 زیادہ صحیح تھا۔ دونوں کے مقابلہ سے جس فرق میں ممکن تھی گئی، لیکن اب بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔
 جس کے کوئی علاج نہیں۔

